جلد ۴ فروری ۱۹۶۳ء شمارہ ۲

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنا انصار اللہ ربوہ

فروری ۱۹۶۳ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ :- چھ روپے ۔ فی پرچہ :- ساٹھ پیسے

فہرستِ مضامین

طابع و ناشر:۔ چوہدری محمد ابراہیم ٭ مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقامِ اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ "انصار اللہ" دار الصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۴ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۲

۱۵ فروری ۱۹۶۳ء

پیشگوئی مصلح موعود کا ایک خاص پہلو

"نفسی نقطۂ آسمان" اور اس کا اصل مفہوم!

بانیٔ سلسلۂ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ۷۷ سال قبل ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر اپنے آقا و مطاع خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپ کی لائی ہوئی اکمل واتم شریعت کی حقانیت کے اظہار کے لئے جو عظیم الشان پیشگوئی شائع فرمائی تھی وہ "پیشگوئی مصلح موعود" کے نام سے موسوم ہے کیونکہ اس پیشگوئی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے الہامِ خاص کے ذریعے ایک عظیم الشان صفات والے اولوالعزم فرزند کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ وہ دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر کرنے اور اسلام کو زمین کے کناروں تک پھیلانے کا موجب ہوگا۔ اس کو ایک پاک روح عطا کی جائے گی، وہ نور ہی نور ہوگا اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا' اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ وہ اس طور اور اس شان سے دنیا میں حق وصداقت کی منادی کرے گا کہ دینِ حق کے پھیلنے اور اس کے پورے کرۂ ارض پر محیط ہونے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

جیسا کہ ہم بعض گذشتہ اشاعتوں میں تفصیل کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں آج اپنے ہی ایمان نہیں رکھتے بلکہ اغیار بھی کسی نہ کسی رنگ میں اس امر پر گواہ ہیں کہ یہ عظیم الشان پیشگوئی اور اس کی ایک ایک علامت حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے فرزند دلبند

گرامی ارجمند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے وجودِ باجود میں نہایت ہی عظیم الشان طریق پر پوری ہو چکی ہے۔ آپ کی ولادت پیشگوئی کی نو سالہ میعاد کے اندر ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشگوئی کے بموجب آپ کا نام بشیر اور محمود (بشیر الدین محمود احمد) رکھ کر صراحت کے ساتھ اپنی کتابوں اور اشتہارات میں لکھا کہ وہ پسرِ موعود جس کا پیشگوئی مصلح موعود کے ذریعہ وعدہ دیا گیا تھا پیدا ہو گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ۱۰ ستمبر ۱۹۱۳ء کو باقاعدہ دستخطی تحریر کے ذریعے اس امر کی تعیین فرمائی کہ فی الحقیقت آپ ہی مصلح موعود والی پیشگوئی کے مصداق ہیں۔ پھر خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت نے آپ کے ذریعے اسلام کی تبلیغ واشاعت کو زمین کے کناروں تک وسیع کر کے اور اطراف و جوانبِ عالم میں آپ کے ہاتھوں اسلام کو پھیلا کر اور صداقتِ اسلام پر آپ سے بیش بہا کتب اور قرآن مجید کی بے مثل تفسیر لکھوا کر اور آپ کے حق میں تائید و نصرت اور فتح و ظفر کے عظیم الشان نشان ظاہر فرما کر اس بات کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ یہ پیشگوئی آپ ہی کے حق میں پوری ہوئی ہے اور آپ ہی اس پیشگوئی کے اصل اور حقیقی مصداق ہیں۔ چنانچہ جماعتِ احمدیہ آپ کی ولادت کے روزِ سعید سے ہی پیشگوئی کی علامتوں کے پورا ہونے پر ایمان رکھتے ہوئے دلی یقین اور بصیرت کے ساتھ آپ کو مصلح موعود کے منصب پر فائز مانتی چلی آ رہی تھی تاہم آپ نے خود اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا اس وقت تک اعلان نہیں فرمایا جب تک کہ خدا تعالیٰ نے ۵ اور ۶ جنوری ۱۹۴۴ء کی درمیانی شب ایک رؤیا میں الہامِ خاص کے ذریعے یہ منکشف نہ فرمایا کہ آپ ہی اس عظیم الشان پیشگوئی کے مصداق اور مصلح موعود ہیں۔

یہ اس لئے ہوا کہ خود پیشگوئی کے الہامی الفاظ میں یہ صراحت موجود تھی کہ جب پیشگوئی کی ایک ایک علامت آپ کے وجود میں پوری ہو جائے گی ـــــ (یعنی دنیا دیکھ لے گی کہ خدا نے آپ کو شکوہ اور عظمت اور دولت عطا کی ہے اور آپ پیشگوئی کے عین مطابق صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہیں۔ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں زمین کے کناروں تک آپ ہی کے جاری کردہ پروگرام اور نظام کے ماتحت اسلام کا پیغام پہنچ رہا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت آشکارا اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر ہو رہا ہے۔ قومیں آپ سے برکت پا پا کر اسیری سے رہائی پا رہی ہیں اور آپ کا نام ایک عظیم روحانی مصلح کی حیثیت سے زمین کے کناروں تک اس درجہ مشہور و معروف ہو چکا ہے کہ اغیار بھی آپ کے انقلاب انگیز کارناموں پر حیرت زدہ ہو کر آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اور وہ سابق اسیر جنہیں آپ کے طفیل رستگاری نصیب ہوئی ہے دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک آپ کی صحت و عافیت اور اقبال میں ترقی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کر رہے ہیں اور اس طرح دنیا پر آشکار کر رہے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ محبت و عشق کے کبھی نہ منقطع ہونے والے رشتہ میں منسلک ہیں) ـــــ تو اس وقت خدا تعالیٰ خود آپ پر یہ انکشاف کرے گا کہ آپ ہی اس پیشگوئی کے اصل مصداق اور مثیلِ مسیح موعود ہیں۔ فی الوقت ہم علی الخصوص پیشگوئی میں بیان کردہ اس صراحت پر ہی

روشنی ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ یہ امر واضح ہو کہ آپ کا پیشگوئی کی جملہ علامتوں کے پورا ہونے کے بعد خدائی انکشاف کی بناء پر ۱۹۴۴ء میں اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان کرنا بھی پیشگوئی کے عین مطابق تھا۔ اور اس لحاظ سے آپ کا یہ اعلان بھی پیشگوئی کی عظمت کو دنیا پر ایک نئے رنگ میں آشکار کرنے کا موجب بنا۔

قبل اس کے کہ ہم پیشگوئی میں بیان کردہ اس صراحت پر روشنی ڈالیں ضروری ہے کہ ہم پیشگوئی کے الہامی الفاظ درج کر دیں تاکہ اس میں مذکورہ بالا صراحت کی نشاندہی کی جاسکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے ایک اولوالعزم فرزند کے پیدا ہونے کی نہایت پُرشکوہ الفاظ میں بشارت دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

"مَیں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اُسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو مَیں نے تیری تضرعات کو سُنا اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیارپور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے، اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ مَیں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ مَیں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اُس کی کتاب اور اُس کے پاک رسول محمد مصطفےٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا ...... اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم۔ اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے)۔ دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزندِ دلبند گرامی ارجمند مظھر الاوّل والآخر مظھر الحقّ والعلاء کانّ اللہ نزل من السماء جس کا ظہور [illegible] اور جلالِ الٰہی [illegible] کا

موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اُس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وکان امراً مقضیاً"۔

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

اِس پیشگوئی میں اللہ تعالیٰ نے مصلح موعود کی واضح اور بیّن علامات اور اس کے ذریعے رونما ہونے والے عالمگیر انقلاب کا ذکر کرنے کے بعد بتایا ہے کہ جب یہ سب باتیں پوری ہو جائیں گی تو پھر وہ مصلح موعود "اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وکان امراً مقضیاً"۔ پیشگوئی کے یہی وہ آخری الفاظ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اِس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ مصلح موعود خدائی انکشاف کی بنا پر اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان ان سب باتوں کے پورا ہونے کے بعد کرے گا اور اس لئے کرے گا کہ خدا نے اسی طرح چاہا ہے اور یہ اُس کی طرف سے ایک فیصلہ شدہ امر ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں "نفسی نقطۂ آسمان" سے کیا مراد ہے اور "اُس کی طرف اٹھائے جانے" کے الفاظ کس مفہوم کے حامل ہیں تو پیشگوئی کے زیرِ نظر فقرہ کا اصل مفہوم خود بخود واضح ہو جائے گا۔

چنانچہ ہم سب سے پہلے اِس امر کو لیتے ہیں کہ "نفسی نقطۂ آسمان" سے کیا مراد ہے۔ اِس کے لئے ہمیں کسی اور کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ "نفسی نقطۂ آسمان" کی تشریح بیان فرمادی ہے۔ آپؑ نے واضح فرمایا ہے کہ "نفسی نقطۂ آسمان" سے مراد روحانی علوّ و ارتفاع کا وہ مرتبہ ہوتا ہے جو اہل اللہ میں سے کسی صاحبِ حال کو عند اللہ حاصل ہو۔ چنانچہ آپ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "سرمہ چشم آریہ" میں سیّدِ ولدِ آدم، افضل الرسل، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے انتہائی ارفع و اعلیٰ مقام ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام، جس تک رسائی کسی غیر کے لئے ہرگز ممکن نہیں، قوسِ الوہیت اور قوسِ عبودیت کے مشترک وتر میں اُس وسطی نقطہ سے عبارت ہے جو دائرۂ قوسین کا نقطۂ مرکز ہے اور آنحضورؐ کا یہ مقام اہل اللہ کی اصطلاح میں "نفسی نقطۂ احمد مجتبیٰ و محمد مصطفےٰ" کہلاتا ہے۔ یہ وترِ مشترک دوسرے بیشمار نقاط پر مشتمل ہے جو وسطی نقطۂ وتر سے فیضیاب ہونے کے باعث دوسرے اربابِ صدق و صفا کے "نفسی نقطہ ہائے آسمان" کا درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

"اب جاننا چاہیئے کہ در اصل (قوسِ الوہیت اور قوسِ عبودیت کے وترِ مشترک میں) اِسی نقطۂ وسطی کا نام حقیقتِ محمدیہ ہے جو اجمالی طور پر جمیع حقائقِ عالم کا منبع و اصل ہے اور در اصل

اسی ایک نقطہ سے خطِ وتر انبساط و امتداد پذیر ہوا ہے اور اسی نقطہ کی روحانیت تمام خطِ وتر میں ایک ہویّتِ ساریہ ہے جس کا فیضِ اقدس اس سارے خط کو تعیّن بخش ہو گیا ہے۔ عالَم جس کو متصوّفین اسماء اللہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں اس کا اوّل اور اعلیٰ مظہر جس سے وہ علیٰ وجہ التفصیل صدور پذیر ہوا ہے یہی نقطۂ درمیانی ہے جسے اصطلاحاتِ اہل اللہ میں نفسی نقطۂ احمدِ مجتبیٰ و محمدِ مصطفےٰ کا نام رکھتے ہیں اور فلاسفہ کی اصطلاحات میں عقلِ اوّل کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے اور اس نقطہ کو دوسرے وتری نقاط کی طرف وہی نسبت ہے جو اسمِ اعظم کو دوسرے اسماء الٰہیہ کی طرف نسبت واقع ہے۔ غرض سرچشمۂ رموزِ غیبی و مفتاحِ کنوزِ لاریبی اور انسانِ کامل دکھلانے کا آئینہ بھی یہی نقطہ ہے اور تمام اسرارِ مبدء و معاد کی علّتِ غائی اور ہر ایک زیر و بالا کی لمّیت یہی ہے جس کے تصوّر بالکنہ و تصوّر بکنہ سے تمام عقول و افہامِ بشریہ عاجز ہیں۔" (سرمہ چشم آریہ حاشیہ صفحات ۱۷۱-۱۷۲)

اس عبارت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جمیع مخلوقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی ارفع و اعلیٰ اور فہم و ادراک سے بالا مقام کو واضح فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ آنحضورؐ کا یہ مقام اہل اللہ کی اصطلاح میں نفسی نقطۂ احمدِ مجتبیٰ و محمدِ مصطفےٰ کہلاتا ہے اور اسی طرح آنحضورؐ کی پیروی اور اتباع کی برکت سے دوسرے اربابِ صدق و صفا کو تعلق باللہ کے لحاظ سے جو روحانی مرتبہ و مقام حاصل ہوتا ہے وہ ان میں سے ہر ایک کا اپنا نفسی نقطہ کہلاتا ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں اگر پیشگوئی مصلح موعود کے آخری فقرہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اس میں پسرِ موعود کے اپنے نفسی نقطۂ آسمان سے مراد وہ روحانی مقام ہے جو عنداللہ پسرِ موعود کو حاصل ہے اور اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اٹھائے جاتے یا مرتفع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب پیشگوئی پسرِ موعود کی تمام علامات اور اُس کے کارنامے ظہور پذیر ہو جائیں گے تو خدا تعالیٰ خود اُس پر اُس کا مرتبہ ظاہر کر دے گا اور اُسے بتا دے گا کہ وہ خود ہی مصلح موعود ہے اور عنداللہ اس مرتبہ و مقام پر فائز ہے کہ اُس کے وجود کی برکت سے دنیا میں ایک روحانی انقلاب برپا ہو۔

چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ جب سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ذریعہ دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر ہونے لگا، آپ کی شہرت زمین کے کناروں تک پھیلنے لگی اور آپ اس طور سے روحانی اسیروں کی رستگاری کا موجب ثابت ہونے لگے کہ مشرق و مغرب کی قومیں آپ سے برکت پانے لگیں تو خدا تعالیٰ نے ۱۹۴۴ء کے شروع میں آپ پر انکشاف فرمایا کہ فی الحقیقت آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے اصل اور حقیقی مصداق ہیں۔

چنانچہ اس خدائی انکشاف کے بعد آپ نے ۱۹۴۴ء کے دوران ہوشیار پور، لاہور، لدھیانہ، اور دہلی میں جلسے منعقد کر کے اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔ ۱۲؍مارچ ۱۹۴۴ء کو لاہور کے مقام پر منعقدہ جلسے میں آپ نے اس امر کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ نے ایسے غیب سے سامان پیدا کر دیئے ہیں کہ ہماری جماعت آپ ہی آپ مختلف ممالک میں پھیلتی جا رہی ہے اور وہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی تھی کہ میرے ذریعہ اسلام اور احمدیت کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا۔ آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ یہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایک بیٹے کے متعلق فرمائی تھی کس شان کے ساتھ پوری ہوئی اور چونکہ اکثر علامات جو اس بیٹے کی بتائی گئی تھیں وہ سالہا سال سے پوری ہو رہی تھیں اس لئے جماعت ہمیشہ مجھے یہ کہا کرتی تھی کہ مصلح موعود آپ ہی ہیں۔ مگر میں نے اس امر کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور میں نے کہا جب تک خدا مجھے آپ یہ اطلاع نہ دے کہ میں اس پیشگوئی کا مصداق ہوں اُس وقت تک میرا اپنے آپ کو اس پیشگوئی کا مصداق قرار دے کر دعویٰ کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ یہی حالت ایک لمبے عرصہ تک رہی یہاں تک کہ اس سال (۱۹۴۴ء) کے شروع میں ۵ اور ۶؍جنوری کی درمیانی رات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام کے ذریعے بتا دیا کہ میں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی میں ذکر کیا گیا تھا۔ اور میرے ذریعہ ہی دُور و دراز ملکوں میں خدائے واحد کی آواز پہنچے گی، میرے ذریعہ ہی شرک کو مٹایا جائے گا، اور میرے ذریعہ ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا، خصوصاً مغربی ممالک میں جہاں توحید کا نام مٹ چکا ہے وہاں میرے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ توحید کو بلند کریگا اور شرک اور کفر کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا جائے گا۔ تب جبکہ خدا نے مجھے یہ خبر دیدی میں نے اس کا دنیا میں اعلان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آج میں اس جلسہ میں اُسی واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس پر افتراء کرنے والا اُس کے عذاب سے کبھی بچ نہیں سکتا کہ خدا نے مجھے اسی شہر لاہور میں نمبر ۱۳ ٹمپل روڈ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان میں یہ خبر دی کہ میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں اور میں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کے ذریعے اسلام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا اور توحید دنیا میں قائم ہو گی"۔

(الفضل ۱۸؍فروری ۱۹۵۸ء)

پس اگرچہ اس عظیم الشان پیشگوئی کی علامات ۱۸۸۹ء میں آپ کی ولادت کے وقت سے ہی ظاہر ہونی شروع ہوگئی تھیں اور پھر برابر ہوتی ہی رہیں یہاں تک کہ زمین کے کناروں تک آپ کی شہرت پھیل گئی اور آپ کے ذریعہ اسلام چاردانگِ عالم میں پھیلنا شروع ہوگیا اور قومیں اسلام میں داخل ہو ہو کر آپ سے برکت حاصل کرنے لگیں اس کے باوجود آپ اپنی زبان سے اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان کرنے سے احتراز فرماتے رہے۔ بالآخر حسبِ پیشگوئی ان سب علامتوں کے پورا ہونے کے بعد وہ وقت آپہنچا جب خدا نے آپ کو آپ کے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف مرتفع کرکے ایک رؤیا میں اپنے الہام خاص سے اطلاع دی کہ آپ ہی مصلح موعود ہیں۔ اس خدائی انکشاف پر آپ نے اپنی پیدائش کے پورے ۵۵ سال بعد جگہ جگہ جلسے منعقد کرکے اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا اور اس طرح پیشگوئی کا یہ حصہ بھی بڑی شان اور آب و تاب کے ساتھ پورا ہوا کہ "تب اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا"۔ اس لحاظ سے آپ کا پیشگوئی کی علامات کے مسلسل پورا ہونے کے باوجود ایک طویل عرصہ کے بعد خدائی انکشاف کی بناء پر اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمانا خود ایک عظیم الشان نشان ہے اور ہمارے لئے ایک نئے رنگ میں ازدیادِ ایمان کا موجب ہے۔

لیکن اس تعلق میں ایک بات خاص طور پر بہت غور طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں یہ امر ہمارے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب ہے کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا پیشگوئی کی علامات ظاہر ہونے کے بعد خدائی انکشاف کی بناء پر اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمانا پیشگوئی کے ایک خاص پہلو کے پورا ہونے پر دلالت کرتا ہے وہاں ہمیں یہ امر بھی کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ حضور کے اس اعلان کے بعد سے ہماری ذمہ داریوں میں بے حد اضافہ ہوچکا ہے۔ ہم اس وقت تک حضور ایدہ اللہ کے اس اعلان کے مصدق قرار نہیں پاسکتے جب تک کہ ہم اپنی نئی ذمہ داریوں کو کما حقہٗ ادا نہ کریں۔ حضور نے ۱۹۴۴ء میں ہی ہم کو ہماری ان نئی ذمہ داریوں سے جو اس اعلان کے بعد ہم پر عائد ہوتی ہیں ان الفاظ میں خبردار فرما دیا تھا۔ حضور نے فرمایا:۔

"میں اس موقعہ پر جہاں آپ لوگوں کو یہ بشارت دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیشگوئی کو پورا کردیا جو مصلح موعود کے ساتھ تعلق رکھتی تھی وہاں میں آپ لوگوں کو ان ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں جو آپ لوگوں پر عائد ہوتی ہیں۔ آپ لوگ جو میرے اس اعلان کے مصدق ہیں آپ کا اوّلین فرض یہ ہے کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک اسلام اور احمدیت کی فتح اور کامیابی کے لئے بہانے کو تیار ہوجائیں ...... جس طرح خدا نے مجھے رؤیا میں دکھایا

تھا کہ میں تیزی سے بھاگتا چلا جا رہا ہوں اور زمین میرے پیروں کے نیچے سمٹتی جا رہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے الہاماً میرے متعلق یہ خبر دی ہے کہ میں جلد جلد بڑھوں گا۔ پس میرے لئے یہی مقدر ہے کہ میں سرعت اور انتہائی تیزی کے ساتھ اپنا قدم ترقیات کے میدان میں بڑھاتا چلا جاؤں۔ مگر اس کے ساتھ ہی آپ لوگوں پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے قدم کو تیز کریں اور اپنی سست روی کو ترک کر دیں۔ مبارک ہے وہ جو میرے قدم کے ساتھ اپنے قدم کو ملاتا اور سرعت کے ساتھ ترقیات کے میدان میں دوڑتا چلا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر جو سستی اور غفلت سے کام لے کر اپنے قدم کو تیز نہیں کرتا اور میدان میں آگے بڑھنے کی بجائے منافقوں کی طرح اپنے قدم کو پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو، اگر تم اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر سمجھتے ہو تو قدم بقدم اور شانہ بشانہ میرے ساتھ بڑھتے چلے آؤ تاکہ ہم کفر کے قلب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا گاڑ دیں اور باطل کو ہمیشہ کے لئے صفحۂ عالم سے نیست و نابود کر دیں اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، زمین اور آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی باتیں کبھی ٹل نہیں سکتیں۔"

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۴۴ء بحوالہ الفضل ۱۹ر فروری ۱۹۶۰ء)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی ان اہم ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ان سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم کسی سستی یا غفلت سے کام لے کر آگے بڑھنے کی بجائے اپنے قدم کو پیچھے ہٹانے والے نہ بنیں بلکہ قدم بقدم اور شانہ بشانہ حضور کے ساتھ آگے ہی آگے بڑھتے چلے جائیں اور ہمیشہ اس مبارک زمرہ میں شامل رہیں جس کے لئے سیدنا حضرت المصلح الموعود کی زیر قیادت باطل کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرنا کفر کے قلب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کو پوری مضبوطی کے ساتھ گاڑنا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے اسے سر بلند رکھنا مقدر ہے۔ آمین یا ربّ العٰلمین ٭

مسیحِ پاکؑ کی نصیحت

حضرت مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"بد صحبتوں سے بچتے رہو اور دعاؤں میں لگے رہو اور اسلام کی حقیقت اپنے اندر پیدا کرو۔"

(الحکم ۲۴ر جنوری ۱۹۰۱ء)

کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

عبادت کا مقصد دل کی زمین کو صاف و شفّاف بنانا ہے

ایسا صاف اور شفاف کہ خدا اس میں نظر آجائے

انقطاع الی اللہ اور تبتّل تام کے لئے استغفار اور توبہ کو لازم پکڑنا ضروری ہے

رمضان کا آخری عشرہ اپنی عظیم الشان برکات کے ساتھ ۲۵ فروری سے شروع ہو رہا ہے۔ یہ مبارک ایام اللہ تعالیٰ کے غیر معمولی افضال و انعامات سے بہرہ یاب ہونے کی نیّت سے پُورے انہماک کے ساتھ خصوصی عبادات بجالانے میں بسر کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کا ایک نہایت بیش قیمت اقتباس ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے جس میں حضور ؑ نے نہایت مسحور کُن انداز میں اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ عبادت کا اصل مقصد کیا ہے اور اس میں انقطاع الی اللہ اور تبتّل تام کی کیفیت کیونکر پیدا کی جا سکتی ہے۔ (ادارہ)

"اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہ" یعنی خدا کے سوا ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علّتِ غائی یہی عبادت ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ عبادت اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان ہر قسم کی قساوت اور کجی کو دُور کر کے دل کی زمین کو ایسا صاف بنا دے جیسے زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔ عرب کہتے ہیں مور معبّد جیسے سُرمہ کو باریک کر کے آنکھوں میں ڈالنے کے قابل بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح جب دل کی زمین میں کوئی کنکر پتھر اور ناہمواری نہ رہے اور ایسی صاف ہو کہ گویا روح ہی روح ہو اس کا نام عبادت ہے۔ چنانچہ اگر یہ درستی اور صفائی آئینہ کی کی جاوے تو اس میں شکل نظر آجاتی ہے۔ اور اگر زمین کی کی جاوے تو اس میں انواع و اقسام کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس انسان جو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اگر دل صاف کرے اور اس میں کسی قسم کی کجی اور ناہمواری اور کنکر پتھر نہ رہنے دے تو اس میں خدا نظر آئے گا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت کے درخت اس میں پیدا ہو کر نشوونما پائیں گے اور وہ اثمارِ شیریں و طیّب اُن میں نکلیں گے جو اُکُلُھَا دَائِمٌ کے مصداق ہوں گے۔

یاد رکھو کہ یہ وہی مقام ہے جہاں صوفیوں کے سلوک کا خاتمہ ہے۔ جب سالک یہاں پہنچتا ہے تو خدا ہی خدا کا جلوہ دیکھتا ہے۔ اُس کا دل عرشِ الٰہی بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس پر نزول فرماتا ہے۔ سلوک کی تمام منزلیں یہاں آکر ختم ہو جاتی ہیں کہ انسان کی حالتِ تعبّد درست ہو۔ جب دل میں روحانی پھل لگ جاتے ہیں اور اُس میں آئینہ کی طرح خدا نظر آتا ہے اِسی مقام پر پہنچ کر انسان دنیا میں جنّت کا نمونہ پاتا ہے اور یہاں ہی هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا کہنے کا حظّ اور لطف اٹھاتا ہے۔ غرض حالتِ تعبّد کی درستی کا نام عبادت ہے۔

پھر فرمایا اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ۔ چونکہ یہ تعبّدِ تام کا عظیم الشان کام انسان بدوں کسی اُسوۂ حسنہ اور نمونہ کاملہ کے اور کسی قوّتِ قدسی کے کامل اثر کے بغیر نہیں کر سکتا تھا اِس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں اُسی خدا کی طرف سے نذیر اور بشیر ہو کر آیا ہوں۔ اگر میری اطاعت کرو گے اور مجھے قبول کرو گے تو تمہارے لئے بڑی بڑی بشارتیں ہیں کیونکہ مَیں بشیر ہوں۔ اور اگر ردّ کرتے ہو تو یاد رکھو کہ مَیں نذیر ہو کر آیا ہوں پھر تم کو بڑی بڑی عقوبتوں اور دُکھوں کا سامنا ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ بہشتی زندگی اِسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے اور اِسی طرح پر کورانہ زیست جو خدا تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ سے بالکل الگ ہو کر بسر کی جائے جہنمی زندگی کا نمونہ ہے۔ اور وہ بہشت جو مرنے کے بعد ملے گا اِسی بہشت کا اصل ہے اور اِسی لئے تو بہشتی لوگ نعمائے جنّت کے حظّ اٹھاتے وقت کہیں گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ دنیا میں انسان کو جو بہشت حاصل ہوتا ہے وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ جب انسان عبادت کا اصل مفہوم اور مغز حاصل کر لیتا ہے تو خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام کا پاک سلسلہ جاری ہو جاتا ہے اور جو نعمتیں آئندہ بعد مردن ظاہری، مرئی اور محسوس طور پر ملیں گی وہ اَب روحانی طور پر پاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ جب تک بہشتی زندگی اِسی جہان سے شروع نہ ہو اور اِس عالم میں اس کا حظّ نہ اٹھاؤ اُس وقت تک سیر نہ ہو اور تسلّی نہ پکڑو کیونکہ وہ جو اِس دنیا میں کچھ نہیں پاتا اور آئندہ جنّت کی امید کرتا ہے وہ طمع خام کرتا ہے۔ اصل میں وہ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى کا مصداق ہے۔ اِس لئے جب تک ماسوی اللہ کے کنکر اور سنگریزے زمینِ دل سے دُور نہ کر لو اور اُسے آئینہ کی طرح مصفّا اور سُرمہ کی طرح باریک نہ بنا لو صبر نہ کرو۔

انسان کسی زکی النفس کی امداد کے بغیر اِس سلوک کی منزل کو طے نہیں کر سکتا۔ اِسی لئے اس کے انتظام و انصرام کے لئے اللہ تعالیٰ نے کامل نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا اور پھر ہمیشہ کے لئے آپؐ کے سچے جانشینوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ جیسے یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جو کسان کا بچہ نہیں ہے نلائی (گوڈی دینے) کے وقت اصل درخت کو کاٹ دے گا اسی طرح پر یہ زمیندارگی جو روحانی زمینداری ہے کامل طور پر کوئی نہیں کر سکتا جب تک

کسی کامل انسان کے ماتحت نہ ہو جو تخم ریزی، آبپاشی، نلائی کے تمام مرحلے طے کر چکا ہو۔ اسی طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ مرشدِ کامل کی ضرورت انسان کو ہے۔ مرشدِ کامل کے بغیر انسان کا عبادت کرنا اسی رنگ کا ہے جیسے ایک نادان و ناواقف بچہ ایک کھیت میں بیٹھا ہوا اصل پودوں کو کاٹ رہا ہے اور اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ وہ گوڈی کر رہا ہے۔ یہ گمان ہرگز نہ کرو کہ عبادت خود ہی آجائے گی نہیں۔ جب تک رسول نہ سکھلائے انقطاع الی اللہ اور تبتّل تام کی راہیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔

پھر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مشکل کام کیوں کر حل ہو۔ اس کا جواب خود ہی بتلا دیا کہ وَاِنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ یاد رکھو کہ دو چیزیں اس اُمّت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوّت حاصل کرنے کے واسطے دوسری حاصل کردہ قوّت کو عملی طور پر دکھانے کے لئے۔ قوّت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے ورزش کرنے سے مثلاً مگدروں اور موگریوں کے اٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوّت اور طاقت بڑھتی ہے اسی طرح پر روحانی مگدر استغفار ہے۔ اس کے ساتھ روح کو ایک قوّت ملتی ہے اور دل میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔ جسے قوّت لینی مقصود ہو وہ استغفار کرے۔ غفر ڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں۔ استغفار سے انسان اُن جذبات اور خیالات کو ڈھانپنے اور دبانے کی کوشش کرتا ہے جو خدا تعالےٰ سے روکتے ہیں۔ پس استغفار کے یہی معنے ہیں کہ زہریلے مواد جو حملہ کر کے انسان کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں ان پر غالب آوے اور خدا تعالےٰ کے احکام کی بجا آوری کی راہ کی روکوں سے بچ کر انہیں عملی رنگ میں دکھائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان میں دو قسم کے مادے رکھے ہیں۔ ایک سمّی مادہ ہے جس کا موکّل شیطان ہے اور دوسرا تریاقی مادہ ہے۔ جب انسان تکبّر کرتا ہے اور اپنے تئیں کچھ سمجھتا ہے اور تریاقی چشمہ سے مدد نہیں لیتا تو سمّی قوّت غالب آجاتی ہے۔ لیکن جب اپنے تئیں ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اور اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک چشمہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اُس کی روح گداز ہو کر بہہ نکلتی ہے اور یہی استغفار کے معنی ہیں یعنی یہ کہ اُس قوّت کو پا کر زہریلے مواد پر غالب آجاوے۔

غرض اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت پر یوں قائم رہو۔ اوّل رسولؐ کی اطاعت کرو، دوسرے ہر وقت خدا سے مدد چاہو، ہاں پہلے اپنے رب سے مدد چاہو۔ جب قوّت مل گئی تو تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ یعنی خدا کی طرف رجوع کرو۔

استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں۔ ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدم ہے کیونکہ استغفار مدد اور قوت ہے جو خدا سے حاصل کی جاتی ہے اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔ عادۃ اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا تو خدا تعالیٰ ایک قوت دے دے گا اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاوے گا اور نیکیوں کے کرنے کے لئے اس میں ایک قوت پیدا ہو جاوے گی جس کا نام تُوبُوْا اِلَیْہِ ہے۔ اس لئے طبعی طور پر بھی یہی ترتیب ہے۔ غرض اس میں ایک طریق ہے جو سالکوں کے لئے رکھا ہے کہ سالک ہر حالت میں خدا سے استمداد چاہے۔ سالک جب تک اللہ تعالیٰ سے قوت نہ پائے گا کیا کر سکے گا۔ توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے۔ اگر استغفار نہ ہو تو یقیناً یاد رکھو کہ توبہ کی قوت مر جاتی ہے۔ اگر اس طرح پر استغفار کرو گے اور پھر توبہ کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ سُنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر استغفار اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پا لو گے۔" (الحکم ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء)

نوافل کی حکمت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"ایک فرائض ہوتے ہیں دوسرے نوافل یعنی ایک تو وہ احکام ہیں جو بطور حق واجب کے ہیں اور نوافل وہ ہیں جو زائد از فرائض ہیں۔ اور وہ اس لئے ہیں کہ تا فرائض میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو نوافل سے پوری ہو جاوے۔......

نوافل متمّم فرائض ہوتے ہیں۔ نفل کے وقت دل میں ایک خشوع اور خوف ہوتا ہے کہ فرائض میں جو قصور ہوا ہے وہ اب پورا ہو جائے۔ یہی وہ راز ہے جو نوافل کو قربِ الٰہی کیساتھ بڑا تعلق ہے گویا خشوع اور تذلّل اور انقطاع کی حالت اس میں پیدا ہوتی ہے اور اسی لئے تقرّب کی وجہ میں ایّامِ بیض کے روزے، شوال کے چھ روزے یہ سب نوافل ہیں۔" (الحکم ۱۰ دسمبر ۱۹۰۰ء)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عربی کلام

ضرورتِ زمانہ

مَا جِئْتُكُمْ فِي غَيْرِ وَقْتٍ عَابِثًا
اے لوگو! مَیں تمہارے پاس بے وقت نہیں آیا۔

قَدْ جِئْتُكُمْ وَالْوَقْتُ كَلَيْلٍ مُّظْلِمٍ
مَیں اس وقت آیا کہ ایک اندھیری رات تھی۔

صَارَتْ بِلَادُ الدِّينِ مِنْ جَدْبٍ عَتَا
دین اسلام کے علاقے اس قحط کی وجہ سے جو غالب آ گیا۔

أَقْوَى وَأَقْفَرَ بَعْدَ رَوْضٍ تُعْلَمُ
خالی ہو گئے بعد اس کے کہ وہ ایک باغ کی طرح تھے۔

هَلْ بَقِيَ قَوْمٌ خَادِمُونَ لِدِينِنَا
کیا وہ قوم باقی ہے جو ہمارے دین کی خدمت کریں

أَمْ هَلْ رَأَيْتَ الدِّينَ كَيْفَ يُحَطَّمُ
کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ دین کو کس طرح مسمار کیا جا رہا ہے

فَاللّٰهُ أَرْسَلَنِي لِأُحْيِيَ دِينَهُ
سو خدا نے مجھے بھیجا تا کہ مَیں اس کے دین کو زندہ کر دوں۔

حَقٌّ فَهَلْ مِنْ رَّاشِدٍ يَسْتَسْلِمُ
یہ سچ ہے، کیا کوئی ہے۔ جو خدا کی بات مانے؟

فِي وَجْهِنَا نُورُ الْمُهَيْمِنِ لَائِحٌ
ہمارے چہرہ پہ خدا تعالےٰ کا نور ظاہر ہے۔

إِنْ كَانَ فِيكُمْ نَاظِرٌ مُّتَوَسِّمُ
اگر تم میں سے کوئی دیکھنے والا ہے تو دیکھ سکتا ہے۔

اَللّٰهُ آثَرَنَا وَكَفَّلَ أَمْرَنَا
خدا نے ہمیں چُن لیا ہے اور ہمارے کام کا متکفل ہو گیا ہے

فَالْقَلْبُ عِنْدَ الْفِتَنِ لَا يَتَجَمْجَمُ
پس دل فتنوں کے وقت متردّد نہیں ہوتا۔

مَلِكٌ فَلَا يُخْزَى عَزِيزُ جَنَابِهِ
وہ بادشاہ ہے اسکی طرف سے عزّت یافتہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا

إِنَّ الْمُقَرَّبَ لَا أَبَا لَكَ يُكْرَمُ
اور اس کا مقرّب ضرور عزّت پاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فارسی کلام

قرآن مجید کی بلند شان

هست فرقاں آفتابِ علم و دیں
قرآن مجید علم اور دین کا سورج ہے۔
تا برندت از گماں سوئے یقیں
تاکہ تجھے شک سے یقین کی طرف لے جائے۔

هست فرقاں از خدا حبل المتیں
قرآن خدا کی طرف سے ایک مضبوط رسّا ہے۔
تا کشندت سوئے ربّ العالمیں
تاکہ تجھے ربّ العالمین کی طرف کھینچ کر لے جائے۔

هست فرقاں روزِ روشن از خدا
قرآن خدا کی طرف سے ایک روشن دن ہے
تا دہندت روشنئ دیدہ ہا
تاکہ تجھے آنکھوں کی روشنی دے۔

حق فرستاد ایں کلامِ بے مثال
خدا نے اس بے نظیر کلام کو اس لئے بھیجا ہے۔
تا رسی در حضرتِ قدس و جلال
تاکہ تو اس پاک اور ذوالجلال کی درگاہ میں پہنچ جائے۔

ہر کہ روئے خود ز فرقاں در کشید
جس نے قرآن سے روگردانی اختیار کی
جانِ او روئے یقیں ہرگز ندید
اُس نے یقین کا منہ ہرگز نہیں دیکھا۔

وحئ فرقاں مُردگاں را جاں دہد
قرآن کی وحی مُردوں میں جان ڈالتی ہے۔
صد خبر از کوچۂ عرفاں دہد
اور معرفت کے کوچہ کی سینکڑوں باتیں بتاتی ہے۔

از یقیں ہا مے نماید عالمے
اور یقینی علوم کا ایک ایسا جہان دکھاتی ہے۔
کاں نہ بیند کس بصد عالم ہمے
جو کوئی سَو جہانوں میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔

(براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ صفحہ ۱۵۴)

لیلۃ القدر کو خدا نے کیوں مخفی رکھا؟

(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ رمضان کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہوتی ہے لیکن یہ کہ وہ کونسی رات ہوتی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے ماتحت پردہ اخفاء میں رکھا ہے "تفسیر کبیر" میں سے سورۃ القدر کی تفسیر کا ایک حصہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔ اس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے آخری عشرہ رمضان میں آنے والی لیلۃ القدر اور اس کی تعیین کے سوال پر بہت پُرمعارف انداز میں روشنی ڈالی ہے اور اس امر کو بھی واضح فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو کیوں مخفی رکھا؟ ——— (ادارہ)

"یہ امر تو ثابت شدہ ہے کہ قرآن کریم رمضان میں نازل ہونا شروع ہوا لیکن یہ امر واقعی طور پر ثابت نہیں کہ رمضان کی کس رات میں قرآن کریم کے نزول کی ابتداء ہوئی۔ بعض (ابتداء) ۱۷ رمضان کی بتاتے ہیں اور بعض ۱۹ رمضان کی اور بعض چوبیسویں رمضان کی قرار دیتے ہیں۔ غرض اس بارہ میں اس کے سوا کہ آخری پندرہ تاریخوں میں سے کسی تاریخ کو قرآن کریم آتا تھا اور کوئی یقینی بات ثابت نہیں لیکن ہر رمضان میں جو لیلۃ القدر آتی ہے اُس کے بارہ میں احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ آخری عشرہ میں سے کسی رات میں آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر سے مراد معین طور پر وہ رات نہیں جس میں قرآن کریم آتا بلکہ صرف ایک ایسی رات مراد ہے جو نزولِ قرآن کی یاد میں خدا تعالیٰ نے بطور علامت مقرر فرمائی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ جو رات بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے نزول کی علامت کے طور پر مقرر کی ہے کیا وہ ایک معین رات ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں وہ بھی کوئی معین رات نہیں بلکہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں چکر لگاتی رہتی ہے ..... (اس رات کی تعیین سے متعلق) روایات میں جن میں سے اکثر صحاح کی ہیں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ رمضان کی پہلی تاریخ، سترھویں، انیسویں، اکیسویں، تیئیسویں، چوبیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں اور تیسویں ساری ہی تاریخوں کو لیلۃ القدر قرار دیا گیا ہے اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے ایک قول کے مطابق تو سارے سال میں کوئی سی رات بھی لیلۃ القدر ہوسکتی ہے لیکن حدیثوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے صحیح قول یہی ہے کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کوئی رات اور خصوصاً طاق راتوں میں سے کوئی رات لیلۃ القدر ہوتی ہے۔

اِن روایتوں کو ملا کر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے اُترنے کی خواہ کوئی رات ہو لیلۃ القدر اُس رات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ بدلتی رہتی ہے اور رمضان کی آخری راتوں میں سے کسی رات کو اس کا ظہور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر قرآن کریم کے اُترنے کی رات ہی لازماً لیلۃ القدر قرار دی جاتی تو اوّل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ مجھے لیلۃ القدر کا علم دیا گیا تھا مگر فلاں فلاں کی لڑائی کی وجہ سے بھول گیا ہے۔ آخر قرآن کریم آپؐ پر اُترا تھا آپؐ کو وہ رات یاد ہو گی اور اگر یاد نہ بھی ہو گی تو آپؐ کو اِس آیت سے یہ تو علم ہو گیا تھا کہ لیلۃ القدر صرف قرآن کریم کے نازل ہونے کی رات ہے اور یہ راتیں کئی نہیں ہو سکتیں، ایک ہی رات ایسی ہو سکتی ہے۔ اِس صورت میں (لوگوں کے دریافت کرنے پر) آپؐ یہ کیوں فرما دیا کرتے تھے کہ فلاں راتوں میں اس کی تلاش کرو۔

دوسرے یہ کہ ایک دفعہ آپؐ کو لیلۃ القدر بتائی گئی اور وہ اکیسویں رات کو ظاہر ہوئی۔ اِس کے باوجود آپؐ لوگوں سے یہی کہتے رہے کہ آخری عشرہ میں اِس کو تلاش کرو حالانکہ اگر وہ ایک معیّن رات ہوتی تو اس کے بعد آپؐ اسے رمضان کی اکیسویں رات بتاتے رہتے۔ پس معلوم ہوا کہ (۱) آپؐ قرآن کریم کے نزول کی رات کو لازماً ہمیشہ کے لئے لیلۃ القدر نہیں قرار دیتے تھے (۲) آپؐ اِس کے سوا دوسری راتوں میں سے بھی کسی کو ہمیشہ کے لئے معیّن لیلۃ القدر نہیں قرار دیتے تھے بلکہ آپؐ کے نزدیک تو یہ رات قرآن کریم کے نزول کی یاد میں مقرر کی گئی تھی۔ اور گو اِس یادگار کو رمضان کے آخری عشرہ کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا تھا مگر نزول کی رات سے مخصوص نہیں کیا گیا تھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ گو یہ رات نزولِ قرآن کی یاد میں ہے مگر قرآنی طریق کے مطابق اِس سے مزید فائدہ بھی اُٹھا لیا گیا ہے۔ کسی واقعہ کی یاد کے لئے کسی آس پاس کے دن کو مقرر کر دیا جائے تو وہ دن وہی فائدہ دیتا ہے جو فائدہ نزول کے دن اس یادگار کو منانا۔ لیکن اگر ایک ہی رات ہمیشہ کے لئے مخصوص کر دی جائے تو عبادت کی وہ کثرت نہیں ہو سکتی جو غیر مخصوص صورت میں ہو سکتی ہے۔ پس اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کی یاد کو آخری عشرہ میں کسی رات میں مقرر کر کے یہ فائدہ مسلمانوں کے لئے پیدا کر دیا کہ بجائے ایک دن کے وہ دس دن جوش و خروش سے عبادت کریں۔ اگر وہ ایک دن کو لیلۃ القدر مقرر کر دیتا تو کمزور آدمی صرف ایک رات عبادت کر کے خوش ہو جاتا۔ لیکن اِس صورت میں کم سے کم دس راتیں تو وہ عبادت میں لگا رہے گا۔ کیونکہ اُسے خیال ہو گا کہ شاید یہ رات لیلۃ القدر ہو، یا شاید وہ ہو۔ اور اِس طرح ایک رات کی جگہ دس راتیں متواتر قرآن کریم کے نزول کی نسبت اور اُس کی برکات کی نسبت سے غور کرنے کا موقع ملتا رہے گا اور اِن راتوں میں سے ہر رات کو لیلۃ القدر کا خیال آتا رہے گا اور لیلۃ القدر کا خیال آتے ہی قرآن کریم کے نزول اور اس کی برکات کی طرف اُس کا ذہن چلا جائے گا اور یہ ایک بہت بڑی برکت اور روحانی فائدہ والی بات ہے۔ پھر آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو مقرر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ خدمت کے ایام کا آخری وقت ہی انعام کا وقت ہوتا ہے۔

اس وقت تک مَیں نے یہ بتایا ہے کہ احادیث میں مذکورہ لیلۃ القدر بھی ایک جہت سے اُسی لیلۃ القدر سے تعلق رکھتی ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا تھا اور یہ کہ اِن معنوں کی رُو سے اصل لیلۃ القدر وہی رات ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا تھا اور صرف اُس کی یاد تازہ رکھنے کے لئے اور اُس عہد کو تازہ رکھنے کے لئے جو نزولِ قرآن کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے اِس اُمّت سے باندھا تھا اُس نے لیلۃ القدر مقرر کی ہے اور اِس فائدہ کو مدّنظر رکھ کر کہ اُمّت کے کمزور لوگ بھی کم سے کم دس راتیں تو خوب عبادت کر لیں اُس نے رمضان کی آخری دس راتوں میں اُسے چھپا دیا ہے اور معیّن رات مقرر نہیں کی تاکہ اس کا قیام صرف رسم ہو کر نہ رہ جائے جسے اسلام بہت ناپسند کرتا ہے۔ اب جو چاہے رمضان کی آخری راتوں میں اسے تلاش کر سکتا ہے۔ اور اِس میں کیا شک ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل کو دس راتوں میں تلاش کرے گا اُسے دین کے ساتھ پہلے سے زیادہ لگاؤ ہو جائے گا اور اُس کے دل میں دین کی محبت پیدا ہو جائے گی اور اس سے یہ امید کی جا سکے گی کہ پہلی غلطیوں کو چھوڑ کر پورے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف جُھک جائے اور کسی وقت اُس کی ہر رات ہی لیلۃ القدر ہو جائے گی۔

عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے بزرگانِ دین سے جو یہ روایت ثابت ہے کہ لیلۃ القدر سال بھر میں سے کسی رات کو ظاہر ہو سکتی ہے اِس کے یہی معنے ہیں کہ انفرادی لیلۃ القدر سال میں کسی وقت آ سکتی ہے ورنہ اُن کا یہ منشاء نہیں کہ رمضان میں یہ لیلۃ القدر نہیں ہوتی۔ کیونکہ خود اُن کی دوسری روایات میں رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کے ظاہر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ہم یہ تو خیال بھی نہیں کر سکتے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد کر دیا۔ صحابہؓ سے ہرگز اِس بات کی امید نہیں کی جا سکتی ہے۔ پس اُن کے اِس قول کے کہ سال کے کسی حصہ میں بھی لیلۃ القدر آ سکتی ہے یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ فردی لیلۃ القدر سال کی کسی رات کو آ سکتی ہے نہ یہ کہ جماعتی لیلۃ القدر جسے وہ خود بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی روایت سے رمضان کی آخری راتوں میں قرار دے چکے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر مومن پر روحانیت کی بلوغت کا زمانہ آتا ہے۔ آخر ہر شخص پیدائش کے وقت سے تو روحانیت میں کامل نہیں ہوتا۔ اکثر لوگوں پر جسمانی بلوغت کے بعد ہی کسی وقت روحانی بلوغت کا زمانہ آتا ہے بعض کو جوانی میں بعض کو ادھیڑ عمر میں اور بعض کو بڑھاپے میں اور بعض کو بڑھاپے کے آخر میں۔ جس رات بھی کسی مومن کی نسبت اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ اب یہ ہمارا قطعی جنتی بندہ ہے وہی اُس کی لیلۃ القدر ہے اور اس کے لئے رمضان کی کوئی شرط نہیں، سارے سال میں کسی وقت کسی کی لیلۃ القدر آ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن رحیم ہے اور اُس کی یہ دونوں صفات ہر وقت ظاہر ہوتی رہتی ہیں پس ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں کے معیّن اوقات کے علاوہ کوئی اور سلسلہ بھی اُس کے فضلوں کا ہوتا جو ہر وقت اور ہر لحظہ ظاہر ہوتا رہتا اور یہ انفرادی فضلوں کا ہی سلسلہ

ہے کسی مومن بندہ کی لیلۃ القدر کسی دن آجاتی ہے کسی کی کسی دن اور اِس طرح روزانہ سارے سال میں اللہ تعالیٰ کے فضل اُس کے نیک بندوں پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ پھر سال میں ایک دفعہ قرآن کریم کے نزول کی یاد میں ساری اُمت پر ایک ہی رات رمضان کے آخری عشرہ میں اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہوتا ہے اور وہ لیلۃ القدر کبریٰ ہوتی ہے۔

اِس جگہ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ بیشک آخری عشرۂ رمضان میں لیلۃ القدر کا مقرر کرنا ایک احسن طریقہ مومنوں کو انعام دینے اور ان کی عبادت کی روح کے قائم رکھنے کا تھا لیکن پھر یہ کیوں ہوا کہ کبھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری عشرہ میں اِس کی تلاش کرو اور کبھی فرمایا کہ ۲۱ کو ہوتی ہے کبھی ۲۴ کو اور کبھی کئی طاق راتوں کا ذکر کر دیا۔ آپ نے تعیین کرنے کی کیوں کوشش فرمائی؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اصل قانون تو لیلۃ القدر کے بارہ میں یہی ہے کہ آخری عشرہ میں بدل بدل کر آتی ہے لیکن مومن کو اللہ تعالیٰ اِس کا خاص علم دیدیتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم دیا گیا کہ لیلۃ القدر کی رات کو بارش ہوگی اور آپ کی مسجد ٹپک پڑے گی چنانچہ رمضان کی ۲۱ کو ایسا ہو گیا۔ جن صحابہؓ کو اِس کا علم ہوا انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید لیلۃ القدر ہوتی ہی ۲۱ کو ہے۔ حالانکہ اِس کا صرف یہ مطلب تھا کہ اُس رمضان میں لیلۃ القدر ۲۱ کو تھی۔ اِسی طرح ایک دوسرے موقع پر آپ کو لیلۃ القدر بتائی گئی اور بھول گئی تو آپ نے آخری طاق راتوں میں سے کوئی اور خصوصاً ۲۷ کو لیلۃ القدر قرار دیا۔ پس جہاں تک آخری عشرہ میں لیلۃ القدر ہونے کا سوال ہے یہ ایک قانون ہے اور جہاں تک اِس عشرہ کی کسی خاص رات کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ یا دوسرے آئمۂ امت کا اشارہ ہے وہ خاص خاص رمضانوں میں اُن کے آسمانی یا وجدانی علم کا نتیجہ ہے، یہ قانون نہیں بتایا گیا کہ ہمیشہ اسی رات کو لیلۃ القدر ہوا کرے گی۔

ایسے مواقع پر طبعاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی ایسی علامت ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ فلاں رات اِس رمضان میں لیلۃ القدر تھی؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ بعض احادیث میں یہ آتا ہے کہ کچھ بجلی چمکتی ہے، ہوا ہوتی ہے اور ترشح ہوتا ہے ایک نور آسمان کی طرف جاتا یا آتا نظر آتا ہے۔ مگر اوّل الذکر علامات ضروری نہیں گو اکثر ایسا تجربہ کیا گیا ہے کہ ایسا ہوتا ہے اور آخری علامت نور دیکھنے کی صلحاء کے تجربہ میں آئی ہے۔ یہ ایک کشفی نظارہ ہے ظاہری علامت نہیں جسے ہر اک شخص دیکھ سکے۔ خود مَیں نے بھی اِس کا تجربہ کیا ہے لیکن جو کچھ مَیں نے دیکھا ہے دوسروں نے نہیں دیکھا۔

اصل طریقہ یہی ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ سے سارے رمضان میں دعائیں کرتا ہے اور اخلاص سے روزے رکھے پھر اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی رنگ میں اُس پر لیلۃ القدر کا اظہار کر دیتا ہے"۔

(تفسیر کبیر۔ اقتباس از تفسیر سورۃ القدر صفحات ۳۲۴ تا ۳۲۹)

رمضان کا آخری عشرہ اور اس کی عظیم الشان برکات

فیضانِ الٰہی سے اپنی جھولیاں بھرنے کا انمول موقع

رمضان کا بابرکت مہینہ اصلاحِ نفس اور تعلق باللہ کے لحاظ سے فلاح و نجاح اور فوزِ عظیم کا ایک ایسا راستہ پیش کرتا ہے کہ جس پر گامزن ہو کر ایک مومن کے لئے قطعی اور یقینی طور پر رضائے الٰہی کی منزل تک پہنچنا چنداں مشکل نہیں رہتا۔ کامیابی کے ضامن اس یقینی راستہ پر ہر مومن کو بتدریج تین منزلیں طے کرنا ہوتی ہیں تیسری اور آخری منزل بخیر و خوبی طے کرنے کے بعد وہ اپنے منتہائے مقصود کو پالیتا ہے یعنی اُس کا خدا جس کے ساتھ وصال کی خواہش اس تمام عرصہ میں اُسے سرگرمِ عمل رکھتی ہے اُسے مل جاتا ہے اور وہ اُس کی پناہ اور حفاظت میں آکر ہر قسم کے ہموم و غموم سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا مصداق بن جاتا ہے۔

یہ تین منزلیں رمضان کے تین عشرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن تینوں عشروں کو غیر معمولی برکتوں اور سعادتوں سے معمور فرمایا ہے۔ یہ برکتیں ایک عشرہ کے بعد دوسرے عشرہ میں بتدریج بڑھتی اور وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہیں یہانتک کہ آخری عشرہ میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچ کر ایک سابق بالخیرات مومن کو پورے طور پر فائز المرام کر دیتی ہیں۔ چنانچہ رمضان کے تینوں عشروں کی غیر معمولی اور خصوصی برکات اور ان میں بتدریج وسعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ (مشکوٰۃ)

یعنی یہ رمضان کا مہینہ ایسا بابرکت مہینہ ہے کہ اس کی ابتداء میں رحمت، درمیان میں مغفرت اور آخر میں آگ سے نجات ہے۔

اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے تینوں عشروں کی بتدریج وسعت پذیر برکتوں کو اختصار لیکن نہایت جامعیت کیساتھ بیان فرما دیا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ رمضان کا پہلا عشرہ خدائے رحمٰن و رحیم کی بیشمار رحمتوں اور برکتوں کو اپنے دامن میں لئے چاند نظر آنے پر جب شروع ہوتا ہے تو وہ دعوتِ عام کے رنگ میں ہر مومن کے لئے ایک

پیغام لے کر آتا ہے۔ اور وہ پیغام یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی کمر ہمت کس لیں اور خدائی رحمتوں اور فضلوں کا وارث بننے کیلئے پوری مستعدی اور عزم وہمت کے ساتھ جہادِ اکبر کے میدان میں اُتر آئیں۔ جب ایک مومن خدا کی خاطر بھوکا اور پیاسا رہ کر اور جائز ضرورتوں سے بھی کنارہ کش ہو کر رمضان کی مخصوص عبادات بجا لاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو خدائی افضال و انعامات کا مستحق بنا لیتا ہے۔ اِس کے بعد جب وہ اِس عزم اور تعہد کیساتھ دوسرے عشرہ میں داخل ہوتا ہے، کہ وہ اصلاحِ نفس کی جدّ وجہد کو جاری رکھے گا اور پھر اپنے پائے ثبات میں ذرہ بھر بھی لغزش نہیں آنے دیتا تو بلا شبہ وہ عنداللہ اِس بات کا اہل بن جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کے تمام گناہ معاف کر دے۔ اِس کے بعد جب وہ اپنی ہستی پر ایک انقلاب وارد کرتے ہوئے تیسرے اور آخری عشرہ میں داخل ہوتا ہے تو اُس وقت گویا نیکی تقویٰ وطہارت اور اعمالِ حسنہ کی فصل پکنے کے قریب جا پہنچتی ہے۔ اِس موقع پر اُس کا اوّلین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ خفیف سے خفیف سستی اور غفلت سے بھی بچتے ہوئے اِس پکنے اور تیار ہونیوالی فصل کو ضائع ہونے سے بچائے اور پوری چوکسی اور مستعدی کا ثبوت دیکر اپنے آپکو اِس بات کا مستحق ثابت کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اپنی محنت کا پھل پائے اور اِس طرح حصولِ مغفرت کے بعد دنیا و آخرت میں آگ سے نجات پاکر جنّت کا وارث ٹھہرے اور صحیح معنوں میں اِس آیہ کریمہ کا مصداق بن جائے کہ:-

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝
(حٰمٓ آیت ۳۱)

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور پھر (قولی اور فعلی لحاظ سے) مضبوطی کیساتھ اِس پر قائم رہے ان پر فرشتے نازل ہوں گے (جو انہیں بشارت دیں گے) کہ ڈرو نہیں اور کسی پچھلی غلطی کا غم نہ کرو اور اُس جنّت کے ملنے سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

رمضان کے بابرکت ایام میں رحمت، مغفرت، اور حصولِ جنّت کے یہ تینوں مرحلے ایک دوسرے کیساتھ طے ہوتے ہوتے ہیں اور مومن کو بتدریج مقصدِ حیات سے قریب تر کر کے بالآخر اسے فائز المرام کرنے کا وسیلہ ٹھہرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہر اگلا مرحلہ اپنے سے پہلے مرحلہ سے زیادہ اہم اور زیادہ بابرکت ہوتا ہے اور بالخصوص تیسرے اور آخری مرحلہ کو تو اپنی اہمیت اور اپنی غیر معمولی برکت کی وجہ سے اوجِ کمال کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ مرحلہ انتہائی بابرکت بھی ہوتا ہے اور ساتھ کے ساتھ انتہائی نازک بھی کیونکہ اگر انسان اِس میں تزکیہ نفس کے مجاہدہ کو پوری مستعدی کیساتھ جاری رکھے تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور اگر ذرا سی بھی غفلت دکھائے تو اُس کی سابقہ محنت بھی ضائع جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کو اپنی عظیم الشان برکات کے لحاظ سے بے انتہا اہمیت حاصل ہے۔

بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتے ہی عبادات اور ذکرِ الٰہی میں شغف وانہماک کو اس اوجِ کمال تک پہنچا دیتے تھے کہ گویا ایک بہت بڑی مہم در پیش ہے جسے سَر کئے بغیر آپ ہرگز دم نہ لیں گے۔ ذکرِ الٰہی میں آپؐ کے اس شغف وانہماک، اور غیر معمولی جد وجہد اور سرگرمی کے متعلق حدیث میں آتا ہے:۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَ اَحْيَا لَيْلَةً وَ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ۔

(بخاری باب فضل لیلۃ القدر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کو (اور بھی زیادہ) کس لیتے تھے اور اپنی رات کو (اپنی مخصوص عبادت کے ذریعہ) غیر معمولی زندگی سے معمور کردیتے تھے حتیٰ کہ اپنے اہل وعیال کو بھی رات کی خاص عبادت کیلئے جگاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقِ عمل سے ظاہر ہے کہ رمضان کا آخری عشرہ بے انتہا اہمیت اور کمال درجہ عظیم الشان برکات کا حامل ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ اس میں وہ مبارک رات بھی آتی ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے:۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ قف هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۝

(سورۃ القدر)

یعنی ہم نے قرآنی شریعت کو ایک عظیم الشان رات کے زمانہ میں اتارا ہے۔ اور اے مخاطب! تو کیا جانے کہ یہ رات کتنی برکات اور کتنے فضائل کی حامل ہے۔ یہ رات تو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ اس میں خدا کے فرشتے خدا کے اِذن سے اس کے پاک کلام کے ساتھ ہر ضروری امر کو لیکر زمین پر اُترتے ہیں اور پھر غروبِ آفتاب سے لیکر طلوعِ فجر تک سلام و رحمت کا مسلسل نزول ہوتا رہتا ہے۔

اس عظیم الشان برکتوں والی رات کو خدا تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے ماتحت مخفی رکھا ہے۔ فی الجملہ وہ حکمت یہی ہے کہ مسلمان غفلت کا شکار ہو کر کسی ایک رات پر تکیہ نہ کر بیٹھیں اور کم از کم چند راتیں تو اس کی تلاش میں گزار کر اپنے آپ کو اس کی عظیم الشان برکتوں کا اہل بنائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق اتنی صراحت فرمائی ہے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی نہ کوئی رات ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔

(بخاری)

یعنی اے مسلمانو! رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کسی رات میں لیلۃ القدر کو تلاش کرکے اس کی برکات سے فائدہ اٹھایا کرو۔

پس آخری عشرہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ایک ایسی رات آتی ہے جو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہوتی ہے۔ اس میں

خدا کے فرشتے خدا کے اِذن سے اُس کے پاک کلام کے ساتھ ہر ضروری امر کو لے کر زمین پر اُترتے ہیں اور پھر غروبِ آفتاب سے لے کر طلوعِ فجر تک سلام و رحمت کا مسلسل نزول ہوتا رہتا ہے۔ اِس رات کو دعاؤں کی قبولیت سے ایک خاص نسبت ہوتی ہے جو اس کی فضیلت اور اس کے ساتھ آخری عشرۂ رمضان کی فضیلت پر دال ہے۔ سو جب ابتدائی دو عشرے مخصوص عبادات اور ذکرِ الٰہی میں گزارنے کے بعد دلوں میں ایک خاص رُوحانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ عشقِ الٰہی کی گرمی سے گداز ہو کر ایک خاص قسم کے کیف و سرور سے بھر جاتے ہیں تو پھر آخری عشرۂ رمضان میں مومن ایسی بابرکت رات کی تلاش میں کوشاں ہو کر اپنے مجاہدہ کو کمال تک پہنچانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتا اور اس کی یہ غیر معمولی جدوجہد ہی اُسے حقیقی فلاح سے ہمکنار کرنے کا موجب بنتی ہے۔

اِس غیر معمولی جدوجہد میں سے ایک **اعتکاف** کی عبادت بھی ہے جو حسبِ توفیق و استطاعت آخری عشرہ میں بجا لائی جاتی ہے۔ اِس میں ایک مومن دنیوی علائق سے مُنہ موڑ کر کامل انقطاع اور تبتّل الی اللہ کی کیفیت اپنے اُوپر وارد کرتا ہے اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دکھانے کے عزم کا اظہار کرتا ہے کہ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی میری نمازیں اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ انقطاع الی اللہ کی یہ کیفیت خود اپنی ذات میں ایک بہت عظیم الشان نعمت ہے جس کی اگر صحیح رنگ میں قدر کی جائے اور اس سے حقیقی رنگ میں فائدہ اٹھانے کی سعی کی جائے تو انسان کی ہر رات لیلۃ القدر بن سکتی ہے اور وہ مقصدِ حیات میں کامیاب ہو کر حقیقی فوز و فلاح کا وارث بن سکتا ہے۔ یہ عظیم الشان برکت بھی رمضان کے آخری عشرہ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ الغرض جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے رمضان کا آخری عشرہ خدا تعالیٰ میں ہو کر نئی زندگی حاصل کرنے کا ایک انمول موقع ہر مومن کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اِس سے فائدہ اُٹھا کر وہ فیضانِ الٰہی سے اپنی جھولیاں بھر سکتا ہے۔

اِسی مبارک عشرہ میں ۱۵ر فروری سے ہم پھر داخل ہو رہے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم آسمانی فیوض و برکات حاصل کرنے کے اِس انمول موقع کو کسی حال میں بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ اپنی کسی ہوئی کمروں کو اَور زیادہ کَس لیں۔ پہلے سے بھی زیادہ مستعد، چوکس اور ہوشیار ہو جائیں۔ نہ صرف خود جاگ کر بلکہ اپنے اہل و عیال اور گھر کے تمام افراد کو جگا کر خصوصی عبادتوں اور ذکرِ الٰہی سے اپنی راتوں کو اِس طور سے زندہ کر دکھائیں کہ اِس مبارک عشرہ میں رونما ہونے والے غیر معمولی روحانی انتشار سے ہم زیادہ سے زیادہ مستفیض ہو سکیں اور ہمارے دامن آسمانی فیوض و برکات سے اِس درجہ بھر جائیں کہ ہماری سعادتمندی اور خوش بختی پر فرشتے بھی رشک کرنے لگیں۔ اور ہمارا خدا ہم سے راضی ہو کر ہماری ساری مُرادیں ہمیں عطا فرما دے۔ ہماری یہ تڑپ کہ اسلام ہماری زندگیوں میں ہی رُوئے زمین پر غالب

آجائے عملی صورت اختیار کرکے اِس دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا دے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ اُس کے فضل سے کامل صحت و عافیت سے ہمکنار ہوں اور اسلام کی کامل اور آخری فتح آپ ہی کی فعّال قیادت میں آپ ہی کے ہاتھوں دنیا میں ظاہر ہو اور یہ دنیا محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس جھنڈے تلے آ جمع ہو جسے اِس زمانہ میں آپ نے نائب و مثیلِ مسیح موعودؑ کی حیثیت سے بلند کیا ہے۔ اور اِسی طرح قادیان جو اُس کے مقدس رسول کا تختگاہ ہے حسبِ وعدۂ الٰہی جلد واپس ملے اور اس کی مرکزی حیثیت ازسرِ نَو بحال ہو کر کعبہ کی ازلی اور مقدس مرکزیت کو کُل جہان سے تسلیم کرانے کا موجب بنے۔

اے خدا! تُو ہمیں آخری عشرۂ رمضان کی برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرما اور ہمیں وہ مقدس گھڑی نصیب کر کہ جس میں ہماری یہ سب مُرادیں أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ کے تحت پوری ہو کر ہمارے دلوں کو شادکام اور ہمیں فائز المرام کردیں۔ اے خدا! اے ذوالمجد والعطا! تُو اپنے فضل سے ایسا ہی کر کیونکہ ؎

تجھ کو سب قدرت ہے اے ربّ الورٰی

اب غفلت کا وقت نہیں رہا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"بے خوف ہو کر مت رہو۔ استغفار اور دُعاؤں میں لگ جاؤ اور ایک پاک تبدیلی پیدا کرو۔ اب غفلت کا وقت نہیں رہا۔ انسان کو نفس جھوٹی تسلّی دیتا ہے کہ تیری عمر لمبی ہوگی۔ مَوت کو قریب سمجھو۔ خدا کا وجود برحق ہے۔ جو ظلم کی راہ سے خدا کے حقوق دوسرں کو دیتا ہے وہ ذلّت کی موت دیکھیگا۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۶۵)

یہ کانٹے مری منزل کے امیں ہیں

(مکرم عبدالمنان صاحب ناہید)

مضموں ترے، قرآں کے مضمون نہیں ہیں
مانا تری تقریر کے الفاظ حسیں ہیں

تُو علم سمجھتا ہے، یہ لفظوں کا اُلٹ پھیر
کیا جانے تُو کیا چیز مقاماتِ یقیں ہیں

تُو خوش ہے مری راہ میں کانٹوں کو بچھا کر
مَیں خوش کہ یہ کانٹے مری منزل کے امیں ہیں

آنکھیں ہی نہ بینا ہوں تو ہے کون خطاوار
خورشیدِ جہانتاب کی کرنیں تو نہیں ہیں

سجدہ ہے جو سجدہ، تو فقط دل کی تڑپ ہے
اور اِسکے سوا جو بھی ہیں وہ ننگِ جبیں ہیں

ناہید اٹھائیں گے، کوئی اور ہی طوفاں
وہ نالے کہ دریوزہ گرِ عرش بریں ہیں

خدا کی عظمت دل میں بٹھانے کی اہمیت

(مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔ اے قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

(۱)

انسان ضعیف البنیان ہے اسے اکثر اوقات ہم و غم سے دوچار ہونا اور مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن سے بالعموم یہ امر مقصود ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی بے چارگی کا احساس ہو اور پھر وہ قادر و توانا خدا کی طرف جھکے اور اُس سے مدد حاصل کرے تا وہ ان ہموم و غموم سے نجات پائے۔ یہ مشکلات و مصائب اور ابتلاء انسان کیلئے روحانی ترقی کا باعث بنتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ اس پر خدا تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرتیں اور معارف منکشف ہوتے ہیں۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو ایک حالت میں رکھ سکتا تھا مگر بعض مصالح اور امور ایسے ہوتے ہیں کہ اُس پر بعض عجیب و غریب اوقات اور حالتیں آتی رہتی ہیں اُن میں سے ایک ہم و غم کی حالت بھی ہے۔ ان اختلافِ حالات و تغیر و تبدّلِ اوقات سے اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرتیں اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔" (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۹۹)

نیز حضور فرماتے ہیں:۔

"انسان کی تکمیل اور تربیت چاہتی ہے کہ اُس پر اس قسم کے ابتلاء آویں اور تاکہ اللہ تعالیٰ پر اُس کا یقین بڑھے۔" (ایضاً صفحہ ۲۰۰)

ہم و غم اور مشکلات و مصائب سے نجات پانے اور خدا تعالیٰ پر کامل یقین نیز اس کی معرفت اور روحانی ترقیات حاصل کرنے میں "ذکر الٰہی" کی افادیت اور اہمیت مسلّم ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ (احزاب ع ۶)	اے مومنو! اللہ تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا کرو اور صبح و مسا اس کی تسبیح کرتے رہو۔

کیونکہ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر بہت بڑی نیکی ہے۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر سے اسکی عظمت و شوکت اور اس کی کامل قدرتوں کا احساس دل میں ہر دم تازہ رہتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان بے بسی کے عالم میں مایوسی کا شکار ہونے کی بجائے اپنی مشکلات اس کے حضور عرض کرتا اور اس سے استمداد کرتا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ — اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کا ذکر انسان کے لئے وجہِ تسکین بن جاتا ہے۔

کیونکہ خدا تعالیٰ کی عجیب و غریب اور بے انتہا قدرتوں کے تصور اور ان کے مشاہدہ سے اُس کے دل میں اپنے محسن خدا سے گہری وابستگی اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ — اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ درجہ کی محبت کیساتھ یاد کرو۔

یعنی بے شک تمہارے والدین کے تم پر بہت سے احسانات ہیں مگر خدا تعالیٰ کے احسانات تم پر کہیں بڑھ کر ہیں۔ اسی نے تمہیں پیدا کیا، پھر اُس نے تمہیں پالا اور تمہاری روحانی و دنیاوی تمام ضروریات پوری کیں اور تمہیں وہ سب کچھ دیا جو تمہاری زندگی اور بقاء کے لئے ضروری ہے۔ تمہارے والدین خود بے بس اور کمزور انسان تھے وہ تمہاری مدد صرف ایک حد تک کر سکتے تھے اس سے زیادہ نہیں مگر قادر و توانا خدا ارحم الراحمین ہے اور اس کے خزانے بھرپور ہیں اس لئے اپنے محسن خدا کی یاد ہمیشہ دل میں تازہ رکھو، اس سے کہیں زیادہ جتنی کہ تمہارے والدین کی یاد تمہارے دل میں ہے۔ اس کی قدرتوں پر غور کرو، اس کی صفات ہمیشہ ذہن میں مستحضر رکھو اور اس کے احسانات کو یاد کر کے اس سے قریب تر ہوتے چلے جاؤ تاکہ تمہارے دل میں اُس سے وابستگی اور زیادہ گہری ہوتی چلی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"خدا کے ساتھ محبت کرنے سے کیا مراد ہے؟ یہی کہ اپنے والدین، جورو اور اپنی اولاد، اپنے نفس غرض ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کر لیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آیا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا یعنی اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرو کہ جیسا تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور سخت درجہ کی محبت کے ساتھ یاد کرو۔" (ملفوظات جلد سوم ص۱۸۰)

اور ذکر الٰہی سے غفلت برتنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۔ (الزخرف ع۴) — جو لوگ ذکر الٰہی سے تغافل برتتے ہیں ان کے لئے شیطان مقرر کر دیا جاتا ہے جو اُن کا ساتھی بن جاتا ہے۔

(۲)

احادیث نبویؐ میں مروی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو ستر بار (یعنی کثرت سے) استغفار فرماتے نیز نماز کے بعد کثرت سے تسبیح و تحمید اور تکبیر فرماتے اور درود شریف پڑھتے۔ ایک بار حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ یعنی دو کلمے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے مگر ثواب کے لحاظ سے بہت وزنی۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟ فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

احادیث نبویؐ میں ایسی بہت سی ادعیہ اور اذکار مروی ہیں جو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وردِ زبان

رہتے - جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے کہ فَاذْكُرُوا اللهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ - اِن کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کے لئے بھی ذِکر کا لفظ استعمال فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ | ہم نے ہی اس ذکر یعنی قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے

پس قرآن مجید ایک بہت بڑا ذکر ہے جس میں خدا تعالےٰ کی صفات، اس کے کمالات اور اس کی قدرتوں کا تفصیلی بیان ہے، اس کے معارف کا ذکر ہے اور تزکیۂ نفس کے حصول کے طریق مذکور ہیں - اس میں اوامر ونواہی موجود ہیں - پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں کامل راہنمائی کے لئے قرآنی الفاظ میں ہمیں دعائیں بھی سکھا دی ہیں تا اُن کے وِرد سے ہمیں خدا تعالےٰ کی معرفت اور اس کا قرب حاصل ہو جائے - اس لئے ہمیں دیگر اذکار کے ساتھ قرآن مجید کو بھی کثرت سے پڑھنا اور اس کے مطالب پر غور کر کے محاسبۂ نفس کرتے رہنا چاہیئے - حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

ا :- " مَیں بار بار اس امر کی طرف ان لوگوں کو جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو کشفِ حقائق کے لئے قائم کیا ہے کیونکہ بدوں اس کے عملی زندگی میں کوئی روشنی اور نور پیدا نہیں ہو سکتا - اور مَیں چاہتا ہوں کہ عملی سچائی کے ذریعہ اسلام کی خوبی دنیا پر ظاہر ہو جیسا کہ خدا تعالےٰ نے مجھے اِس کام کے لئے مامور کیا ہے - اس لئے قرآن شریف کو کثرت سے پڑھو مگر نرا قصہ سمجھ کر نہیں بلکہ فلسفہ سمجھ کر "

(ملفوظات جلد سوم صـ۱۵۵)

ب :- " قرآن شریف کو غور سے پڑھیں - جہاں سمجھ میں نہ آئے دریافت کریں .... قرآن شریف ایک دینی سمندر ہے جس کی تہہ میں بڑے بڑے نایاب اور بے بہا گوہر موجود ہیں " (ملفوظات جلد سوم صـ۱۹۴)

ج :- " قرآن کریم کی تعلیمیں تقویٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچانا چاہتی ہیں - ان کی طرف کان دھرو "

(ازالہ اوہام صـ۲۳۷)

(۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ذکرِ الٰہی کے سلسلہ میں قرآن مجید کی تلاوت سے کس قدر شغف اور قرآنی آیات پر غور و خوض سے کس قدر دلچسپی تھی اس کا اندازہ ایک حد تک درج ذیل روایات سے ہو سکتا ہے :-

ا :- ڈاکٹر اقبال کے استاد شمس العلماء علامہ میر حسن لکھتے ہیں :-

" (سیالکوٹ میں) حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پُر معاصی کے

غریب خانہ کے بہت قریب ہے عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔ بیٹھ کر، کھڑے ہو کر، ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔" (سیرۃ المہدی حصہ اوّل طبع ثانی صفحہ ۲۷۱)

ب۔" مطالعہ کے طور پر سب سے زیادہ آپؑ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ حتّٰی کہ بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں ہم نے آپ کو جب بھی دیکھا قرآن مجید ہی پڑھتے دیکھا۔ آپؑ کے بڑے فرزند حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی روایت ہے کہ آپؑ کے پاس ایک قرآن مجید تھا اُس کو پڑھتے اور اُس پر نشان کرتے رہتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ شاید دس ہزار مرتبہ اُس کو پڑھا ہو۔" (حیاتِ طیبہ بحوالہ حیات النبی جلد اوّل صفحہ ۱۰۱)

ج۔"(سیالکوٹ میں قیام کے دَوران) گھر میں سوائے قرآن مجید پڑھنے اور نمازوں میں لمبے لمبے سجدے کرنے کے اَور آپؑ کو کوئی کام نہ تھا۔ بعض آیات لکھ کر دیواروں پر لٹکا دیا کرتے تھے اور پھر اُن پر غور کرتے رہتے تھے۔" (حیاتِ طیبہ صفحہ ۲۷)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قرآن مجید کثرت سے پڑھنے، اُس پر غور و خوض کرنے اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تا خدا تعالیٰ کی عظمت ہمارے دلوں میں جاگزیں ہو اور اس کا جلال ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمین +

خدا نے مجھ پر اپنا جلوہ کیا ہے

حضرت مسیحِ پاک علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"میرا مذہب یہ ہے کہ وہ خدا جس کو ہم دکھانا چاہتے ہیں وہ دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور دنیا اُس سے غافل ہے۔ اُس نے مجھ پر اپنا جلوہ دکھایا ہے جو دیکھنے کی آنکھ رکھتا ہے وہ دیکھے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۷۵)

اسلام کی نشأۃ ثانیہ

(حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کی روشنی میں)

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمن صاحب ایم۔اے)

ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت چلی آئی ہے کہ وہ دینِ حق کی اشاعت اپنے ماموروں یا اُن کے ہاتھ پر بِک جانے والے سرفروشوں کے ذریعہ سے کرواتا ہے۔ اِس زمانے میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفاء کے ہاتھ پر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کرنے والوں کے ذریعہ سے ہی اسلام اور احمدیت کی اشاعت مقدّر تھی۔ اِن فدائیوں اور سرفروشوں کا ظاہری نام مختلف ازمنہ میں مختلف ہوتا رہا ہے۔ اِس زمانے میں انہیں خاص طور پر "واقفِ زندگی" کے نام سے پکارا گیا ہے۔

وقف کی ابتدائی تحریک خود حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ سے ہوئی لیکن اس کی باقاعدہ صورت خلافتِ ثانیہ میں قائم ہوئی اور "تحریک جدید" کی شکل میں اِس تحریک نے ایک منظّم ادارے کا رنگ اختیار کیا۔ "تحریکِ جدید" کوئی نئی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ وہی پُرانی شراب ہے جو نئے برتنوں میں ڈالی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اِس تحریک کو جاری کیا۔ پھر یہی تحریک ایک نہایت شاندار طریق پر ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جاری ہوئی اور اِسی تحریک کو دوبارہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفاء نے دنیا کے سامنے رکھا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں اِس "تحریک جدید" یا اِس عظیم الشان "نظامِ وقف" کا جس کے ذریعہ سے اِس زمانے میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے مقصد نے اپنی تکمیل کو پہنچنا تھا ذکر موجود ہے۔ ۵؍فروری ۱۹۰۶ء کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

(۱) "زمین کہتی ہے۔ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ کُنْتُ لَا اَعْرِفُکَ۔

(۲) یُخْرِجُ هَمَّهٗ وَغَمَّهٗ دَوْحَةَ اِسْمَاعِیْلَ۔ فَاَخْفِهَا حَتّٰی یَخْرُجَ۔ ایک دانہ کِس کِس نے کھانا۔ (تذکرہ طبع اوّل ص۵۳۹)

ترجمہ:۔ زمین ایک وقت آئے گا کہ پکار اُٹھے گی کہ اے اللہ کے نبی میں تجھے نہیں پہچانتی تھی (اور

یونہی تیری تکذیب کر کے مستحقِ عذاب ٹھہری) ۔اُس کا (یعنی مسیح موعود کا دینی مشکلات اور اشاعتِ اسلام کے لئے) فکر اور غم ایک اسماعیلی درخت اُگائے گا۔ پس اِس بات کو پوشیدہ رکھ یہاں تک کہ اس (عظیم الشان درخت) کی شاخیں نمایاں طور پر ظاہر ہو جائیں ۔ایک دانہ یعنی بیج اتنا پھلدار ہو گا کہ بہت بڑی تعداد اس کے پھلوں سے متمتع ہو گی"۔

اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ بھی الہام ہے :۔

"کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ (تذکرہ طبع نو ص۹۵)

ترجمہ :۔ (ترجمہ از حضرت مسیح موعود علیہ السلام) "سو تو اُس بیج کی طرح ہے جس نے اپنا سبزہ نکالا پھر موٹا ہوتا گیا یہاں تک کہ اپنی ساقوں پر قائم ہو گیا"۔

یعنی اسلام کی نشاۃِ ثانیہ یا احمدیت کی اشاعت کی تحریک ابتداء میں بیج کی طرح معمولی نظر آئے گی مگر بعد میں وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائے گی اور آخر کار ایک تن آور درخت بن جائے گی جس کے ٹھنڈے سایوں کے تلے دنیا کو چین نصیب ہو گا۔

دَوحۃ اسماعیل والے الہام میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے ایک مخصوص اسماعیلی درخت کی خبر دی گئی ہے جس کے مصداق حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود ہیں جن کے ہاتھ سے اشاعتِ اسلام کے لئے ایسی تحریک کو منظم کیا گیا جس کی تخم ریزی تو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے مبارک ہاتھوں سے ہی ہوئی لیکن ایک مخصوص شکل میں یعنی **تحریکِ جدید** کی صورت میں اِس کی بنیاد حضور علیہ السلام کے حسن و احسان میں نظیر یعنی ہمارے موجودہ امام المصلح الموعود اطال اللہ بقاءہٗ کے ذریعہ سے ۱۹۳۴ء میں رکھی گئی ۔آہستہ آہستہ یہ بیج بڑھا، ایک پودا بنا، پھر ایک درخت بنا، اور اَب اس کی شاخیں سرعت کے ساتھ اکنافِ عالم میں پھیلتی چلی جا رہی ہیں اور انشاء اللہ العزیز پھیلتی چلی جائیں گی ۔اِس سلسلہ واقفین اور اِس کے بانی کا نام دَوحۂ اسماعیل یعنی اسماعیلی درخت کیوں رکھا گیا ؟ اِس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رؤیا میں دکھایا تھا کہ آپؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اجتہادی غلطی سے یہ سمجھا کہ شاید ظاہری ذبح مراد ہے ۔چنانچہ آپ فوراً اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر اپنے اکلوتے فرزند کو اُسے بھی اِس قربانی پر رضامند پا کر اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے ۔عین اُس وقت جب حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے کے گلے پر چھُری چلانے ہی کو تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو پکارا کہ اے ابراہیم ! تُو نے اپنی طرف سے اپنی رؤیا کو پورا کر دیا ہے ۔اسماعیل کو اس رنگ میں ذبح کرنے کی ضرورت نہیں لیکن رؤیا کو ظاہرا طور پر بھی پورا کرنے کے لئے اسماعیل کے فدیے میں ایک مینڈھا ذبح کر دے ۔

اِس رؤیا کی حقیقی تعبیر یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدمتِ دین و خدمتِ بیت اللہ کے لئے اپنے اُس

بیٹے کو معنوی رنگ میں ذبح کریں گے اور اس مقصد کے لئے انہیں ایک بے آب وگیاہ جنگل میں چھوڑ آئیں گے۔ مندرجہ بالا دونوں قسم کی ذبح کی بناء پر یعنی ظاہری طور پر ذبح ہونے کے لئے تیار ہوجانا اور پھر معنوی طور پر حقیقتاً ذبح ہوجانا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو **ذبیح اللہ** کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے ایک موت قبول کرتے ہوئے **وقف** ہوجانا ہی حقیقی اسماعیلی قربانی ہے۔ گویا **واقفِ زندگی** (بشرطیکہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وقف کی شرائط کو پورا کر رہا ہو) اور **ذبیح اللہ** حقیقی مفہوم اور رُوح کے لحاظ سے مترادف الفاظ میں۔ اسی طرح خدمتِ دین کے لئے اپنی اولاد کو ذہنی اور عملی طور پر وقف کر دینا ہی اصل ابراہیمی قربانی ہے۔

پس حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ ہی وہ باپ بیٹا تھے جن سے وقف کے سلسلہ کی ایک عظیم الشان بنیاد قائم ہوئی۔ وقف بھی ایسا جو ذبح ہونے کے مترادف ہو۔ اس سے ضمناً یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ حقیقی واقفِ زندگی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں نفسانیت کی ہر چیز کو ذبح کرنے کے لئے پورے طور پر تیار ہو۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے ہاتھوں خدمتِ دین کی خاطر سلسلۂ وقف کی جو بنیاد پڑی اُس کا بہت عظیم الشان ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا۔ حضرت اسماعیلؑ کا مکہ کی وادیٔ غیر ذی زرع میں بسایا جانا اور خدمتِ کعبہ کے لئے وقف ہونا اسی عظیم الشان سنہری دَور کے لئے تیاری اور تمہید کے طور پر تھا۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ — یعنی ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ میرے
أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ — گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع
وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ (البقرہ ع ۱۵) — اور سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک اور صاف رکھو۔

یہ طائفین، عاکفین کون تھے؟ اِن الفاظ کے سب سے بڑے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم تھے جن کی رُوحیں ہر وقت دینِ حق کے گرد طواف کرتی رہتی تھیں۔ جو رکوع کرنے والے یعنی خالص توحید پر قائم تھے اور جو سجدہ کرنے والے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے سرِ اطاعت خم کرنے والے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اسلام کے لئے تکمیلِ ہدایت کا زمانہ تھا تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بعثت میں مقدّر تھا جس کی طرف آیت هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ اشارہ کرتی ہے۔ یہی الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام بھی ہوئے ہیں۔ (تذکرہ۔ طبع ثانی صفحہ ۴۵) جس سے اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم کے اِس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ لہٰذا اِس زمانے میں بھی پہلے دو زمانوں یعنی زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسماعیلی قربانی پیش کرنے والے واقفین کی ضرورت تھی تا وہ دنیا کے کناروں تک پھیل جائیں اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا وعدہ پورا ہو۔ اِس کام کے لئے ایک یا دو واقفین کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اشاعتِ اسلام کا کام

نہ ختم ہونے والا کام ہے اس لئے واقفین کے بھی ایک لمبے سلسلہ کی ضرورت تھی جس کی شاخیں دنیا کے تمام اکناف میں پھیلتی چلی جائیں۔ جماعت احمدیہ میں واقفینِ زندگی کے سلسلہ کے ظہور کی اِس الہام میں خبر دی گئی تھی کہ یُخْرِجُ هَمُّهٗ وَغَمُّهٗ دَوْحَةَ اِسْمَاعِيْلَ کہ مسیح موعودؑ کی دعا اور ہم وغم کی وجہ سے ایک عظیم الشان اسماعیلی درخت پیدا ہوگا یعنی اسماعیلی قربانی کرنے والوں کا ایک سلسلہ قائم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی اِس پیش خبری کے تحت منظم رنگ میں یہ سلسلہ "تحریکِ جدید" کے نام سے مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کے مبارک ہاتھوں سے ۱۹۳۴ء میں قائم ہوا۔ حضور ہی اس زمانہ میں فرزندِ ابراہیم ثانی اور دوحۂ اسماعیلؑ یعنی بروزِ اسماعیل ہیں جن کے ذریعہ سے اسماعیلی قربانی پیش کرنے والے واقفین کا منظّم سلسلہ قائم ہوا۔

قادیان میں "تحریکِ جدید" کا کام اتنا وسیع نہیں ہوا تھا جتنا کہ اب ربوہ میں آکر ہوا ہے اور خود ربوہ کے قیام اور آبادی سے بھی ایک اَور رنگ میں مندرجہ بالا الہام پورا ہو جاتا ہے یعنی جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ سمیت ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں خدمتِ دین کے مقصد کی خاطر بسائے گئے اور اُن کی برکت سے وہاں ایک شہر آباد ہوگیا اُسی طرح اِس زمانہ میں، اِس زمانہ کے ابراہیم ثانیؑ کے فرزند، بروزِ اسمٰعیلؑ اپنی والدہ سمیت ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں آکر خدمتِ دین کی خاطر سکونت پذیر ہوگیا اور یہاں بھی اس کے قدموں کی برکت سے ایک شہر آباد ہوگیا اور پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔ اس لئے ربوہ ہی وہ مقام تھا جہاں دَوحۂ اسماعیل والے الہام کا منظّم ظہور ہونا تھا اِسی لئے ربوہ کے قیام کے موقع پر ہی اللہ تعالیٰ نے خود حضرت مصلح موعود ایّدہ اللہ الودود کی زبانِ مبارک سے یہ اعلان کرایا کہ اِس الہام کے مصداق آپ ہی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ربوہ میں پہلے جلسہ سالانہ کے بعد (جو اپریل ۱۹۴۹ء میں ہوا) جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز لاہور واپس تشریف لے جا رہے تھے تو حضور پر کشفی حالت طاری ہوئی جس میں حضور نے دیکھا کہ آپ اللہ تعالےٰ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب ؎ پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

چنانچہ حضور نے لاہور واپس پہنچ کر ۲۲/ اپریل ۱۹۴۹ء کو مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اُس میں اِس شعر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :-

"پاؤں کے نیچے سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اسماعیل قرار دیا ہے۔ جس طرح وہاں اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں رگڑنے سے پانی بہہ نکلا تھا اسی طرح خدا تعالیٰ یہاں میری دعاؤں کی وجہ سے پانی بہا دے گا۔ یہ ایک محاورہ ہے جو محنت کرنے اور دعا کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ہم نے اپنا پورا زور لگا دیا کہ تا ہمیں پانی مل سکے لیکن ہم اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ اب خدا تعالیٰ نے میرے مُنہ سے یہ کہلوایا ہے کہ پانی صرف تیری دعاؤں کی وجہ سے نکلے گا۔ ہم نے نہیں جانتے کہ

یہ پانی کب نکلے گا اور کس طرح نکلے گا لیکن بہرحال یہ الہامی شعر تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہاں (ربوہ میں) پانی کی کثرت ہو جائیگی انشاء اللہ۔ اس شعر میں "حضور" اور "جناب" دو لفظ اکٹھے کہے گئے ہیں جو عام طور پر اکٹھے استعمال نہیں ہوتے لیکن چونکہ یہاں ادب کا پہلو مراد ہے اس لئے یہاں "آپ" کے لفظ کی بجائے "حضور" اور "جناب" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ "بہانے" سے مطلب یہ ہے کہ پانی وافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ الہام کس رنگ میں پورا ہوگا۔ ممکن ہے ہمیں نہر سے پانی مل جائے یا دریا سے پانی لے لیا جائے یا ہمیں کوئی اور جگہ مل جائے جہاں پانی ہو اور اس وقت تک ہمیں اس کا علم نہ ہو۔ بہرحال یہ نہایت ہی خوشکن الہام ہے اور یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہام کی تائید کرتا ہے جو یہ ہے کہ یُخْرِجُ هَمَّهٗ وَ غَمَّهٗ دَوْحَةَ اِسْمَاعِیْلَ (تذکرہ ص۵۲۹) یعنی خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غم اور فکر اور دعاؤں کی وجہ سے ایک اسماعیلی درخت پیدا کرے گا وہ دَوحۂ اسماعیل میں ہی ہوں۔"

(الفضل ۱۸ راگست ۱۹۴۹ء)

پس حضور ہی وہ دَوحۂ اسماعیل جن کے ذریعہ سے دَوحاتِ اسماعیل کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔

الہام کا اگلا حصہ یہ ہے فَاَخْفِهَا حَتّٰى يَخْرُجَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سلسلۂ وقف کو قائم کرنے والے کے دل میں غیر شعوری طور پر یہ بات ڈالے گا کہ اس تحریک کی اصل حقیقت کو مخفی رکھو۔ یہاں تک کہ ایک حد تک یہ درخت ظاہر ہو جائے یا اس کے نتائج ظاہر ہونے لگیں۔ سو دیکھو کہ "تحریک جدید" کا معاملہ اور اس کی اصل حقیقت خود حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود پر بھی مخفی رہی اور آپ نے اس سلسلہ کے قیام کا اعلان صرف تین سال کے لئے فرمایا۔ تین سال کے بعد اس کی مدّت کو سات کے لئے بڑھا دیا۔ آخر جب "تحریک جدید" کے عظیم الشان نتائج ظاہر ہو گئے تب آپ کو صراحت سے اس امر کا احساس ہوا کہ اشاعتِ اسلام کا کام تو ہماری جماعت کے لئے زندگی کے خون کی طرح ہے اور یہ کام تو قیامت تک جاری رہے گا۔ اس پر آپ نے "تحریک جدید" کے دائمی ہونے کا اعلان فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں یہ غیر شعوری طور پر الہام نازل کیا کہ فَاَخْفِهَا حَتّٰى يَخْرُجَ کہ جب تک یہ سلسلۂ وقف اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو جائے اسے مخفی رکھو۔ آپ کے قلبِ مطہر نے حکم خداوندی کی اس طرح اطاعت کی کہ اس حقیقت کو خود آپ پر بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔

الہام کا آخری حصہ ہے "ایک دانہ کس نے کھانا"۔ پس دیکھو کہ حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بچپن میں اکثر بیمار رہتے تھے اور کمزور صحت رکھتے تھے جن کی خرابیٔ صحت کی بناء پر یہ گمان نہ کیا جا سکتا تھا کہ آپ لمبی عمر پانے والے

ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں آپ بمنزلہ اُس بیج یا دانے کے تھے جو اسماعیلی کمالات کا حامل تھا، یہ دانہ مستقبل میں دَوحۂ اسماعیل بننے والا تھا جس کے پھل ہزاروں اسماعیلی قربانی پیش کرنے والے واقفین کی صورت میں ظاہر ہونے والے تھے، اقوامِ عالم کے ہزاروں ہزار بلکہ لاکھوں اور کروڑوں نفوس نے اِس بیج سے روحانی برکت حاصل کرنی تھی۔

اِسی حقیقت کی طرف حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ کی رؤیا میں حضور کے متعلق یہ الہامی الفاظ اشارہ کر رہے ہیں کہ:-

"اَطَالَ اللّٰهُ بَقَـاءَهٗ وَ اَطْلَعَ شُمُوْسَ طَالِعِهٖ" (۱۹۴۴ء یا ۱۹۴۵ء)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے اِس الہام میں اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کو تاکید فرماتا ہے کہ دعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اِس مبارک وجود کی برکات سے لمبے سے لمبے زمانہ تک، ممتع کرتا رہے کیونکہ اقوامِ عالم کا برکت حاصل کرنا اس کے وجود سے خاص طور پر وابستہ ہے۔ پھر یہ بھی دعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی قسمت کے سورجوں کو (شُمُوْسَ طَالِعِهٖ) کو چڑھاتا چلا جائے یعنی جماعت کے نوجوانوں کو زندگی وقف کرنے کی توفیق ملتی چلی جائے۔ وقف کی حقیقی روح اپنے اندر رکھنے والا ہر وہ واقفِ زندگی جو رُوحانی طور پر کسی تاریک ملک کے اُفق پر اسلام کا سورج بن کر طلوع کرتا ہے اور اس ملک کی ظلمت کو روشنی میں بدلنے کا موجب ہوتا ہے وہ مصلح موعود کی قسمت کا وہی سورج ہے جس کا مندرجہ بالا الہام میں ذکر ہے کیونکہ مصلح موعود کی قسمت میں لکھا ہوا تھا کہ:-

"زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی۔"

(تذکرہ طبع ثانی صـ۱۴۵)

مصلح موعود کے متعلق پیشگوئی کے الہامی الفاظ میں یہ بھی ہے کہ:-

"نُور آتا ہے نُور"

پس دیکھو کہ حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ خود کیسے عظیم الشان نور ہیں جن کی چھوٹی سے چھوٹی کرنوں کو بھی الہامِ الٰہی میں

"اس کی قسمت کا سُورج"

قرار دیا گیا ہے۔ جب اِس نور کی روشنی جو دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اُن کے آقا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی روشنی ہے۔ ساری دنیا میں پھیل جائے گی تو اس کی خوابیدہ قسمت جاگ اُٹھے گی تب زمین اپنی گزشتہ غفلتوں پر نادم ہوگی اور زبانِ حال سے مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کر کے پکار اُٹھے گی کہ:-

"يَا نَبِيَّ اللّٰهِ كُنْتُ لَا اَعْرِفُكَ"

کہ اے اللہ کے نبی (مجھے معاف کر دے) مَیں تجھے پہچانتی نہ تھی۔ کاش مَیں تجھے ابتداء میں ہی پہچان لیتی تا مجھے خطرناک مصائب اور عذابوں کا شکار نہ ہونا پڑتا۔

چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

امروز قوم من نہ شناسد مقامِ من
روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم

یہ مسیح موعود علیہ السلام کا اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے لئے ہم وغم ہی تھا جو آپ کو ہوشیار پور لے گیا اور وہاں آپؑ نے چالیس دن کا چلّہ کاٹا اور ایک عظیم الشان دُوحہؐ اسماعیل کی خوشخبری حاصل کی۔ اب بھی اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے کامل ظہور کے لئے یہی نسخہ ہے کہ ہم اپنے دلوں میں ہمّ اور غم پیدا کریں اور اپنی زندگیوں کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیں۔ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہم وغم کا تو ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں آپ کے مثیل اور خلیفہ برحق اور موعود دُوحہؐ اسماعیل کے ہمّ وغم کا کچھ اندازہ آپ ہی کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ہو سکتا ہے جو آپ نے قادیان میں جلسہ سالانہ کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمائے تھے:۔

"حقیقت یہ ہے کہ ساری دنیا میں صحیح طور پر تبلیغِ اسلام کرنے کے لئے لاکھوں مبلّغوں اور کروڑوں روپیہ کی ضرورت ہے۔ جب مَیں رات کو بستر پر لیٹتا ہوں تو بسا اوقات سارے جہان میں تبلیغ کو وسیع کرنے کے لئے مختلف رنگوں میں اندازے لگاتا ہوں۔ کبھی کہتا ہوں ہمیں اتنے مبلّغ چاہئیں اور کبھی کہتا ہوں اتنے مبلّغوں سے کام نہیں بن سکتا اس سے بھی زیادہ مبلّغ چاہئیں۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ بیس بیس لاکھ تک مبلّغین کی تعداد پہنچا کر مَیں سوجایا کرتا ہوں۔ میرے اس وقت کے خیالات کو اگر ریکارڈ کیا جائے تو شاید دنیا یہ خیال کرے کہ مَیں سب سے بڑا شیخ چلّی ہوں۔ مگر مجھے اِن خیالات اور اندازوں میں اتنا مزہ آتا ہے کہ سارے دن کی کوفت دُور ہو جاتی ہے۔ مَیں کبھی سوچتا ہوں کہ پانچ ہزار مبلّغ کافی ہوں گے، پھر کہتا ہوں پانچ ہزار سے کیا بن سکتا ہے دس ہزار کی ضرورت ہے۔ پھر کہتا ہوں دس ہزار بھی کچھ چیز نہیں۔ جاوا میں اتنے مبلّغوں کی ضرورت ہے، سماٹرا میں اتنے مبلّغوں کی ضرورت ہے، چین اور جاپان میں اتنے مبلّغوں کی ضرورت ہے۔ پھر مَیں ہر ملک کی آبادی کا حساب لگاتا ہوں، ان کے اخراجات کا اندازہ لگاتا ہوں اور پھر کہتا ہوں یہ مبلّغ بھی تھوڑے ہیں اس سے بھی زیادہ مبلّغوں کی ضرورت ہے یہاں تک کہ بیس بیس لاکھ تک مبلّغوں کی تعداد پہنچ جاتی ہے۔ اپنی ان مزے کی گھڑیوں میں مَیں نے بیس بیس لاکھ مبلّغ تجویز کیا ہے۔ دنیا کے نزدیک میرے یہ خیالات ایک واہمہ سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں

رکھتے مگر اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو چیز ایک دفعہ پیدا ہو جائے وہ مرتی نہیں جب تک اپنے مقصد کو پورا نہ کرلے۔ لوگ مجھے بے شک شیخ چلّی کہہ لیں مگر میں جانتا ہوں کہ میرے اِن خیالات کا خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ فضاء میں ریکارڈ ہوتا چلا جا رہا ہے اور وہ دن دُور نہیں جب اللہ تعالیٰ میرے اِن خیالات کو عملی رنگ میں پورا کرنا شروع کر دے گا۔ آج نہیں تو آج سے ساٹھ سال یا سَو سال کے بعد۔ اگر خدا تعالیٰ کا کوئی ایسا بندہ ہوا جو میرے اِن خیالات کو پڑھ سکا اور اُسے توفیق ہوئی تو ایک لاکھ مبلّغ تیار کر دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کسی اَور بندے کو کھڑا کر دے گا جو مبلّغوں کو دو لاکھ تک پہنچا دے گا۔ پھر کوئی اَور بندہ کھڑا ہو جائے گا جو میرے اِس ریکارڈ کو دیکھ کر مبلّغوں کو تین لاکھ تک پہنچا دے گا۔ اِس طرح قدم بقدم اللہ تعالیٰ وہ وقت بھی لے آئے گا جب ساری دنیا میں بیس لاکھ مبلّغ کام کر رہے ہوں گے۔"

(منقول از الفضل ۲۸؍اگست ۱۹۵۹ء)

یہ ہے نمونہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہم وغم کا۔ حضور اِس الہام کے سب سے بڑے مصداق ہیں اور موعود دُوھۂ اسماعیل ہیں جس کی شاخیں دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہیں۔ تثلیث کے مرکزوں میں آپ کے قائم کردہ نظام یعنی تحریک جدید کے تحت مساجد بنائی جارہی ہیں جن سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدائیں دن میں پانچ بار گونجتی ہیں۔ یہ عظیم الشان نظامِ وقف انشاء اللہ العزیز ترقی کرتا چلا جائے گا اور ایک زمانہ آئے گا کہ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (قرآن مجید) کا مصداق ہو جائے گا۔ یہ درخت جس کی شاخوں کے نیچے ساری دنیا آرام کرے گی أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا (قرآن مجید) کا نمونہ پیش کرے گا۔ اُس وقت یہ الہام سمجھ میں آجائے گا کہ "ایک دانہ کس کس نے کھانا"۔ وہ دانہ جو مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ سے بویا گیا مستقبل میں ایک بارآور و تن آور درخت بن کر رہے گا مگر مخلصین اور واقفین کی انتہائی قربانیوں کے ذریعہ سے جو نصرتِ الٰہی کو کھینچ لائیں گی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اِس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔" (الوصیت)

حضور علیہ السلام کی اِس پیشگوئی میں اِسی دَوحۂ اسماعیل کا ذکر ہے جس کی الہام میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ اِس وقت دنیا عالمگیر بدامنی، جنگوں اور فتنہ و فساد کی وجہ سے ایک جہنم کا نمونہ پیش کر رہی ہے لیکن ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اِس آگ میں اپنا قدم رکھ کر اُسے جنّت میں تبدیل کر دے گی۔ اِس موعود جنّت کا قیام اِس

دنیا میں آنے والے ایام میں صرف اور صرف جماعت احمدیہ کے لئے ہی مقدر ہے۔ جنّت گھنے درختوں کے گنجان مقام کو کہتے ہیں۔ پس احمدیت کے ذریعہ سے دنیا میں جو جنّت قائم ہوگی وہ دَوحاتِ اسماعیل سے بھرپور ہوگی۔ لاکھوں لاکھ واقفین اور فدائی دنیا کے چپے چپے پر دین احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں مصروف نظر آئینگے۔ یہی وہ مقصد ہے جس کے حصول کے لئے آج سے اٹھائیس سال پہلے حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کے مبارک ہاتھوں سے تحریکِ جدید کا قیام کیا گیا۔ پس اب تمام افرادِ جماعت کا فرض ہے کہ تقویٰ اور دیانت کے ساتھ اِس مقصد کی پیروی کریں ؎

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا

اور اس کا طریق یہی ہے کہ والدین ابراہیمی قربانی پیش کریں یعنی اپنی اولادوں کو اس راہ میں قربان کریں۔ اُن کی اولادوں کا فرض ہے کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کی طرح ایسے مخلص والدین کی نیک خواہشات پر لبّیک کہتے ہوئے دَوحۂ اسماعیل بننے کی کوشش کریں۔ ہم سب تحریک جدید کے چندوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں مسجدیں تعمیر کر دیں اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے پورے انہماک اور اخلاص سے اپنے تمام فرائض کو پورا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو، چھوٹوں کو بھی اور بزرگوں کو بھی، اِس کی توفیق عطاء فرمائے اور ہمیں ایسی قربانیاں کرنے کی توفیق عطاء فرمائے کہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کی تکمیل ہمارے ہاتھوں سے ہی ہو۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

وَاٰخِرُ کَلِمِنَا حَمْدٌ وَّ شُکْرٌ
لِرَبٍّ مُحْسِنٍ ذِی الْاِمْتِنَانِ

ہماری دعوت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ہم جس بات کی دعوت کرتے ہیں اور جو کسی سچائی کے طلبگار کو بتلا سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ خدا کی تلاش کرے۔"

(ملفوظات جلد دوم ص۲۴۱)

مغربی افریقہ کے موجودہ مذہبی رجحانات

اسلام کی روز افزوں ترقی اور عیسائی حلقوں کا اضطراب

(جمیلہ سیفی صاحبہ مقیم لیگس، نائیجیریا — مغربی افریقہ)

احمدیہ مشن نائیجیریا کی طرف سے ایک انگریزی ہفت روزہ اخبار "دی ٹروتھ" (The Truth) شائع ہوتا ہے جو نائیجیریا کا واحد اسلامی اخبار ہے۔ اس کی ۱۴ دسمبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں مکرم نسیم سیفی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ کی صاحبزادی جمیلہ سیفی صاحبہ کا "مغربی افریقہ کے موجودہ مذہبی رجحانات" کے زیر عنوان ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے افریقہ میں عیسائیت کے بالمقابل اسلام کی روز افزوں ترقی پر بہت عمدہ پیرائے میں روشنی ڈالی ہے۔ اُن کے اِس مضمون کا اُردو ترجمہ ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے جو امید ہے دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔

(ایڈیٹر)

مذہبی نقطۂ نگاہ سے مغربی افریقہ کو فی زمانہ بہت اہمیت حاصل ہے۔ فی الحقیقت آج یہ سارا علاقہ ایک میدانِ کارزار کا منظر پیش کر رہا ہے جس میں دنیا کے دو عظیم مذاہب یعنی اسلام اور عیسائیت ایک دوسرے کے خلاف فیصلہ کُن جنگ لڑنے میں مصروف ہیں۔ اِس جنگ میں یقیناً اسلام کا پلّہ بھاری ہے۔ خود عیسائی لیڈروں کا وہ اضطراب جس کا گزشتہ کئی سال سے وہ اظہار کرتے چلے آ رہے ہیں اسلام کی کامیابی پر دال ہے۔

مئی ۱۹۵۷ء میں نائیجیریا میں عیسائی پادریوں کی ایک کونسل کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔ کونسل نے نائیجیریا میں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو ایک عظیم خطرہ قرار دیا اور اِس پر بہت فکرمندی اور تشویش کا اظہار کیا۔ چنانچہ کافی غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ نائیجیریا کے ہر حلقہ میں ہر ہفتہ ایک پبلک جلسہ کا انعقاد عمل میں لایا جائے، جس میں (بزعمِ خود) اسلام کی "خامیوں اور کمزوریوں" پر روشنی ڈالی جائے اور اسلامیات کے عیسائی ماہروں کو خاص طور پر مدعو کر کے اِن (مزعومہ) "خامیوں اور کمزوریوں" پر عام فہم اسباق کی شکل میں لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے۔

اِس کونسل کے بعد لیگس کے عیسائی بشپ دی رائٹ ریورنڈ اے ڈبلیو ہاولز (The Rt. Rev. A. W. Howells)

عیسائیت کے روز افزوں انحطاط پر بہت کچھ واویلا کرتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں "ڈیلی ٹائمز" نے اپنی ۹ مئی ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں لکھا تھا:-

"لیگس کے بشپ دی رائٹ ریورنڈ اے۔ ڈبلیو۔ ہاولز کا بیان ہے کہ دنیا میں عیسائی آبادی کا تناسب دن بدن گر رہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ۱۹۵۰ء میں دنیا کی مجموعی آبادی میں عیسائیوں کا تناسب ۳۳ فیصد تھا۔ ۱۹۶۰ء تک یہ تناسب گرتے گرتے ۳۱ فیصد رہ گیا۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ اگر انحطاط کی یہ کیفیت اسی طرح جاری رہی تو ۲۰۰۰ء تک دنیا میں عیسائی آبادی کا تناسب صرف ۲۰ فیصد رہ جائے گا"۔

بشپ ہاولز کے اس بیان کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہاں کے ایک اور نامور اخبار نے "نائیجیریا میں عیسائیت کیوں ناکام ہو رہی ہے؟" کے زیرِ عنوان اپنے ایک نامہ نگار کا مضمون شائع کیا۔ اس میں مضمون نگار نے لکھا ——— "گزشتہ ہفتہ عیسائی حلقوں کی طرف سے پے در پے یاس انگیز بیانات منظرِ عام پر آئے ہیں۔ اِن بیانات کو ملحوظ رکھتے ہوئے گزشتہ ہفتہ کو ہم "ہفتۂ عیسائیت" کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ اہم اور واضح بیان لیگس کے بشپ اے۔ ڈبلیو۔ ہاولز کا تھا" ——— مضمون نگار نے بشپ ہاولز کے بیان کا ایک اقتباس درج کرنے کے بعد مزید لکھا ——— "عیسائی آبادی کے تناسب میں بتدریج رونما ہونے والے انحطاط کے نتیجہ میں ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے کہ جب ہم یہ معلوم کرنے پر مجبور ہوں کہ نائیجیریا سے عیسائیت کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے"۔

اُسی زمانہ میں ایک اور تبصرہ بھی منظرِ عام پر آیا اور وہ تھا نائیجیریا کے شمالی علاقے کے گورنر سر گاوین بیل (Sir Gawain Bell) کا ایک بیان۔ انہوں نے اپنے اس بیان میں اِس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ ملک میں جس تیزی سے حالات تبدیل ہو رہے ہیں ان کے بالمقابل چرچ بہت دھیمی رفتار سے حرکت میں آ رہا ہے ——— اسی طرح ماہوار رسالہ ڈرم (Drum) نے اپنے مئی ۱۹۶۱ء کے شمارہ میں عیسائیت کے انحطاط کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:-

"کیا افریقہ میں اسلام کے لئے کوئی اہم کردار ادا کرنا مقدر ہے؟ بہت سے لوگ، جن میں سے ایک مصر کے صدر ناصر بھی ہیں، یقین رکھتے ہیں کہ فی الواقعہ صورتِ حال ایسی ہی ہے۔ لیکن دوسرے لوگ اِس سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام کے لئے سیاسیات کے میدان میں کچھ اثر پیدا کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن مذہب کے میدان میں اس نے نہ پہلے کبھی کوئی پیش قدمی دکھائی ہے اور نہ آئندہ اس کی کوئی توقع ہے۔ بایں ہمہ یہ ایک حقیقت ہے کہ برِاعظم

افریقہ میں اور اس میں سے بھی علی الخصوص نائیجیریا میں مذہب کا اثر بہت زیادہ ہے۔ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ تعلیمی لحاظ سے عیسائیت کے بالمقابل اسلام میں اثر انداز ہونے کی بہت زیادہ صلاحیت موجود ہے۔ اس کا ضابطۂ اخلاق عیسائیت سے زیادہ بلند ہے اور رواداری بھی اس میں نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے۔"

خود نائیجیریا کے قومی اخبارات کے ادارتی کالموں میں بھی عیسائیت کے انحطاط کا مسئلہ کافی زیر بحث آتا رہا ہے۔ ان کے لئے اسے نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ "دی ویسٹ افریکن پائلٹ (The West African Pilot) نے اپنی ۲۱ رمئی ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں اس انحطاط پر تبصرہ کرتے ہوئے دریافت کیا:۔

"کیا عیسائی چرچ زمانے کے دوش بدوش چل رہا ہے؟ کیا واقعی آج عیسائی چرچ ایسے ہتھیاروں سے مسلح ہے کہ وہ اس "فتنہ" کا مقابلہ کر سکے جسے چرچ کے بعض علمبردار "فتنۂ اسلام" کے نام سے یاد کرتے ہیں؟"

اس اخبار نے آگے چل کر مزید لکھا:۔

"عیسائی پادریوں کی حالیہ کونسل کے فیصلوں کا جائزہ لینے سے جو صورتِ حال اُبھر کر سامنے آتی ہے اسے خوشکن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فی الجملہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ چرچ جدید مادہ پرستی کے جنگل میں پھنس کر اس سے پوری طرح مغلوب ہو چکا ہے۔ بظاہر یہی نظر آ رہا ہے کہ آج انسانیت جن مسائل سے دوچار ہے چرچ کے پاس ان کا کوئی جواب موجود نہیں ہے۔"

اسی طرح امریکہ کے مشہور عیسائی مناد ڈاکٹر بلی گراہم بھی عیسائیت کے روز افزوں انحطاط پر کچھ کم روشنی نہیں ڈالتے رہے ہیں۔ انہوں نے جب افریقہ کا وسیع دورہ کیا تو سارے مغربی افریقہ میں بالعموم اور نائیجیریا میں بالخصوص انہیں مسلمانوں کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دورہ میں انہوں نے تسلیم کیا کہ افریقہ میں ہر تین نئے عیسائیوں کے بالمقابل اسلام سات نو مسلموں کو اپنی آغوش میں کھینچ لیتا ہے۔ اُن کا یہ اعتراف بھی افریقہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی کے ایک واضح ثبوت کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ امر بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ انہی دنوں افریقی ممالک میں خدمات سرانجام دینے کے لئے پانچ ہزار نئے برطانوی اساتذہ بھرتی کرنے کی ایک مہم شروع کی گئی ہے۔ حال ہی میں برطانیہ کے آرچ بشپ آف کنٹربری ڈاکٹر رامزے (Dr. Ramsey) نے بھی اپنے ملک کے اساتذہ سے اپیل کی ہے کہ وہ آگے آئیں اور افریقہ میں تعلیمی خدمات سرانجام دینے کے لئے اپنی خدمات پیش کریں۔ اس مہم کو کامیاب بنانے میں عیسائی چرچ نے خاص طور پر بہت

دلچسپی لی ہے اور یہ اِس امر کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ یہ مہم افریقہ میں عیسائیت کے موجودہ انحطاط کو روکنے کے لئے ہی شروع کی گئی ہے۔

براعظم افریقہ میں صرف مغربی افریقہ ہی ایک ایسا علاقہ نہیں ہے کہ جہاں اسلام تیزی سے اپنے پاؤں جما رہا ہے بلکہ افریقہ کے دوسرے علاقوں میں بھی اسلام کی روز افزوں ترقی کا یہی حال ہے۔ چنانچہ مشرقی افریقہ کے عیسائی حلقے بھی اِس صورتِ حال پر کچھ کم مضطرب نہیں ہیں۔ "ممباسہ ٹائمز" (Mombasa Times) مؤرخہ ۱۲ جون ۱۹۶۲ء کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی وہاں کے عیسائی حلقوں کے اضطراب کی بڑی حد تک نشاندہی ہوتی ہے۔ اخبار مذکور رقمطراز ہے :-

"افریقہ میں مسلمان مبلّغین ہمارے عیسائی مشنریز کے مقابلے میں دس گنا زیادہ تیز رفتاری سے لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا رہے ہیں۔ گراہمز ٹاؤن کے ایک استاد مسٹر اے۔ رکے۔ گراہم کے بیان کے بموجب توقع یہ ہے کہ عنقریب اشاعتِ اسلام کی یہ رفتار اور بھی زیادہ تیز ہو جائیگی۔ مسٹر گراہم (جنہوں نے اسلام کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے) نے تجرد اظہار کیا ہے کہ بہت سے مبصرین یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر عیسائیت نے خطرہ کا پورے طور پر احساس نہ کیا تو اسلام بآسانی سارے افریقہ کا مذہب بن جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ بیسویں صدی کا سب سے اہم اور تعجب خیز امر وہ مخصوص اسلام ہے جو حیاتِ نَو سے ہمکنار ہونے کے علاوہ اپنی ذات میں جارحانہ نوعیت کا حامل ہے۔ اور یہی وہ اسلام ہے جو بیداری سے ہمکنار ہونے والے افریقہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا جارہا ہے۔ انہوں نے مزید کہا اِس وقت تین بڑی طاقتیں اپنی اپنی جگہ افریقہ پر غالب آنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ان میں سے ایک اشتراکیت ہے جو بیک وقت دوسری دو طاقتوں یعنی اسلام اور عیسائیت کی مخالفت پر کمربستہ ہے۔ اِس جدوجہد میں اسلام ہر طور کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نسل، قومیت، سیاسی علائق، اور تعلیم وغیرہ کے امتیازات سے یکسر بالاتر رہتے ہوئے ہر انسان کے عزّ و وقار کا احترام کرتا ہے اور اسے ضروری قرار دیتا ہے۔"

حقیقت یہی ہے کہ آج اسلام افریقہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہا ہے لیکن اِس پر خطرہ محسوس کرنے یا مضطرب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلام وہ چنندہ اور منتخب مذہب ہے جسے خدا نے رُوئے زمین پر بسنے والے تمام بنی نوعِ انسان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، اِسی لئے یہ دُنیا میں پھیل رہا ہے اور انشاء اللہ پوری برق رفتاری سے پھیل کر رہے گا۔ خود اسلام کی بسرعت اشاعت اِس دینِ حق کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ لوگوں پر یہ حقیقت روز بروز واضح ہوتی جارہی ہے کہ جملہ مذاہب میں سے صرف اور صرف اسلام ہی ہے جو اُن کی صحیح راہنمائی کر سکتا

ہے اور انہیں اِس قابل بنا سکتا ہے کہ وہ اِس دنیا میں زندگی کے اصل اور حقیقی مقصد کو حاصل کر سکیں۔

اسلام کی یہ روز افزوں ترقی اور اس کی بسرعت اشاعت نتیجہ ہے اُن بے لوث اور اَن تھک مساعی کا جو جماعتِ احمدیہ اِس ضمن میں بجالا رہی ہے۔ یہ جماعت آج سے ستّر سال قبل حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہو کر قائم فرمائی تھی۔ اور یہی وہ جماعت ہے جس نے اپنی اُن شاخوں کے ذریعہ جو دنیا کے تمام حصوں میں پھیلی ہوئی ہیں اہلِ دنیا کو حقیقی اسلام سے روشناس کرایا ہے۔ یہ جماعت اسلامی لٹریچر شائع کرنے میں بھی بہت ممتاز ہے۔ یہ لٹریچر اُس کے لئے اشاعتِ اسلام کے عظیم کام میں بہت ممد ثابت ہوا ہے۔

مَیں مغربی افریقہ کے موجودہ مذہبی رجحانات کے اِس جائزہ کو بانیٔ سلسلۂ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہتم بالشان پیشگوئی کے اِن الفاظ پر ختم کرتی ہوں۔ آپ اپنی کتاب "تذکرۃ الشہادتین" میں فرماتے ہیں:۔

"اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اُس (خدا) کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اِس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجّت اور بُرہان کے رُو سے سب پران کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزّت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اِس مذہب (اسلام) اور اِس سلسلہ (احمدیہ) میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی...... دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ مَیں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اَب وہ بڑھے گا اور پھُولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

استغفار سے گناہ معاف ہوتے ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"استغفار بہت کرو۔ اس سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں..... یاد رکھو یقین بڑی چیز ہے جو شخص یقین میں کامل ہوتا ہے خدا تعالیٰ خود اس کی دستگیری کرتا ہے۔"

(الحکم ۳۱ رجنوری ۱۹۰۱ء)

بچوں کا صفحہ

بچوّں کا قابلِ تعریف شوق

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بچوں کو روزہ رکھنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ وہ بڑوں کی رِیس میں روزہ ضرور رکھنا چاہتے ہیں۔ اُن کا یہ شوق اس لحاظ سے قابلِ تعریف ہے کہ وہ نیکی میں بڑوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے لیکن اِس شوق کے پورا کرنے میں اسلامی حکم کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام نے رمضان میں روزے رکھنا بالغ مردوں اور عورتوں پر فرض کیا ہے بچوں پر نہیں۔ یعنی جب ایک بچہ بڑا ہو کر اٹھارہ سال کا ہو جاتا ہے تب جا کر اُس پر روزہ فرض ہوتا ہے اس پہلے نہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ عبادت تو ضرور ہے لیکن ذرا سخت قسم کی عبادت ہے۔ چھوٹے بچوں کے لئے اسے برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ اسے برداشت کر بھی لیں تو اس سے اُن کی نشوونما پر اثر پڑنے کا ڈر ہوتا ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے بچوں کے لئے روزہ کو فرض قرار نہیں دیا۔

ہاں اسلام نے اِس بات کا انتظام کیا ہے کہ بچے بھی روزے کے ثواب سے بالکل محروم نہ رہیں۔ اُس نے اجازت دی ہے کہ ذرا بڑی عمر کے بچوں کو ۱۸ سال کی عمر سے پہلے ہی مشق کے لئے کبھی کبھی روزہ رکھوا دینا چاہیئے۔ یعنی بارہ سال کی عمر میں اور اس کے بعد بچے بھی کبھی کبھی روزہ رکھ سکتے ہیں تاکہ انہیں روزہ رکھنے کی عادت پڑے اور جب وہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو پھر رمضان کے مہینے میں آسانی سے روزے رکھ سکیں۔

بچوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو بچپن میں پہلا روزہ رکھنے کی اجازت دی تو اُس وقت آپ کی عمر گیارہ یا بارہ سال کی تھی۔ اس کے بعد آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اجازت سے کبھی کبھی روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ باقاعدگی سے اور مسلسل روزے رکھنے آپ نے اُس وقت شروع کئے جب آپ اٹھارہ سال کے ہوگئے۔

سو چھوٹے بچوں کو چاہیئے کہ وہ محض شوق پورا کرنے کی خاطر روزے نہ رکھا کریں۔ ہاں جب اُن کی عمر دس بارہ سال کی ہو جائے تو پھر وہ اپنے والدین کی اجازت سے کبھی کبھی روزہ رکھ سکتے ہیں۔ اسلام نے جو حکم بھی دیا ہے ہمارے فائدہ کے لئے دیا ہے۔ ثواب اسی میں ہے کہ اسلام کے حکم کی پابندی کی جائے۔ ہاں نیت ہمیشہ یہ رکھنی چاہیئے کہ ہم بڑے

ہو کر روزے ضرور رکھیں گے اور اس فرض سے کبھی غافل نہ ہوں گے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بچوں کو چھوٹی عمر میں روزہ رکھے بغیر اس کا ثواب ضرور مل جائے گا۔ اور جب وہ بڑے ہوں گے تو خدا انہیں باقاعدگی سے روزے رکھنے کی توفیق دے دیگا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ سب بچوں کو روزوں سے متعلق اسلامی حکموں پر چلنے اور اُن کی پوری پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین +

خدمتِ دین کی تڑپ!

(حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام)

کشتیٔ اِسلام بے لُطفِ خدا اب غرق ہے
اے جنوں کچھ کام کر بے کار ہیں عقلوں کے وار

مجھ کو دے اِک فوق عادت اے خدا جوش و تپش
جس سے ہو جاؤں میں غم میں دیں کے اِک دیوانہ وار

وہ لگا دے آگ میرے دل میں ملّت کے لئے
شعلے پہنچیں جس کے ہر دم آسماں تک بیشمار

اے خدا تیرے لئے ہر ذرّہ ہو میرا فدا
مجھ کو دکھلا دے بہارِ دیں کہ میں ہوں اشکبار

اِک کرم کر پھیر دے لوگوں کو فرقاں کی طرف
نیز دے توفیق تا وہ کچھ کریں سوچ اور بچار

(دُرِّثمین۔ اُردو)

مجالس انصار اللہ کیلئے ہدایات

برائے سال ۱۹۶۳ء

قیادت عمومی :- (قائد عمومی :- مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم ۔ اے)

(۱) ہر ماہ کی دس تاریخ تک گذشتہ ماہ کی رپورٹ کارگزاری مرکز میں پہنچ جانی چاہیئے ۔ از راہِ کرم اس میں کسی قسم کا تساہل نہ ہونے دیا جائے ۔

(۲) سالانہ اجتماع انصار اللہ میں نہ صرف نمائندگانِ شوریٰ تشریف لائیں بلکہ دیگر اراکین مجلس انصار اللہ بھی زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس میں شرکت فرما کر اس کی برکات سے متمتّع ہونے کی کوشش کریں ۔ زعماء / زعماء اعلیٰ اصحاب اجتماع میں کثرت سے شمولیت کے لئے احباب کو تحریک فرماتے رہیں ۔

(۳) آپ کے ہاں جن اصحاب کے پاس تبرکات ہوں یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مسودات وغیرہ ہوں ان کی تفصیلی رپورٹ مرکز میں بھجوا دی جائے تا جماعتی میوزیم کمیٹی کو اطلاع دی جاسکے ۔

(۴) ماہنامہ انصار اللہ کی توسیع اشاعت کی مہم جاری رکھی جائے تا کہ یہ رسالہ خود کفیل ہو سکے ۔

قیادتِ مال :- (قائد مال مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب)

(۱) بجٹ فارم اگر اس وقت تک پُر کر کے بھجوائے نہیں جا سکے تو بعد تکمیل از راہِ کرم جلد واپس بھجوا دیئے جائیں ۔

(۲) کوشش کی جائے کہ ہر رکن مجلس انصار اللہ سے باقاعدہ ہر ماہ چندہ جات انصار اللہ وصول کئے جائیں بشرح درج ذیل ہے ۔

چندہ مجلس ۔ نصف پیسہ فی روپیہ یعنی ۱۰۰ روپے ماہانہ آمد پر ۵۰ نئے پیسے ۔ کم از کم ۲۵ نئے پیسے ماہوار فی رکن ۔ چندہ اجتماع ایک روپیہ سالانہ فی رکن ۔ چندہ اشاعت لٹریچر ایک روپیہ سالانہ فی رکن ۔ چندہ تعمیر دفتر حسب توفیق ۔

نوٹ :- حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا سالِ رواں کے لئے منظور شدہ بجٹ درج ذیل ہے ۔

چندہ مجلس ۲۲،۰۰۰ ، چندہ تعمیر دفتر ۴،۰۰۰ ، چندہ سالانہ اجتماع ۴،۰۰۰ ، چندہ اشاعت لٹریچر ۴،۰۰۰ ، میزان :- ۳۴،۰۰۰

قیادت اصلاح و ارشاد :- (قائد اصلاح و ارشاد مکرم پروفیسر محمد ابراہیم صاحب ناصر ایم ۔ اے)

(۱) ہر رکن مجلس کو تحریک کی جائے کہ سال میں کم از کم ایک شخص کی اصلاح کر کے اسے اسلامی انوار کا گرویدہ بنائے ۔ نیز جماعت احمدیہ کے عقائد کے متعلق غلط فہمیاں دُور کرنے کی کوشش کرے ۔

(۲) انصار اللہ کو قلمی جہاد اور مضمون نویسی کی طرف توجہ دلائی جاتی رہے ۔

(۳) صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فوٹو کی ایک ایک کاپی مرکز میں بھجوائی جائے اور ایک کاپی مقامی مجلس میں محفوظ رکھی جائے ۔ نیز مختصر طور پر اُن کے حالات اُن سے لکھوا کر مرکز میں بھجوائے جائیں ۔

(۴) ہر رکن سال میں کم از کم ایک ہفتہ اصلاح و ارشاد کے لئے وقف کرے۔

(۵) حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت مطبوعہ صفحہ ۳۲ راہِ ہدیٰ کی تعمیل میں ہر مجلس مرکزی ہدایات کے ماتحت ایک ہفتہ منائے (نوٹ:- راہِ ہدیٰ کا ایک نسخہ مرکز سے طلب فرمائیے)

(۶) انصار اللہ کو تحریک جدید اور وقفِ جدید کے چندہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دی جائے۔

قیادتِ تربیت:- (قائد تربیت مکرم مولانا ابو العطاء صاحب فاضل جالندھری)

(۱) ہر رکن انصار اللہ کو نماز باجماعت ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔

(۲) شعائر اسلام کی پابندی کی تلقین کی جائے۔ آدابِ طہارت پر خاص توجہ کی جائے۔

(۳) تمباکو نوشی و خوری سے اجتناب کی ترغیب دی جائے۔

(۴) اسلامی اخلاق بالخصوص راست گفتاری، سچی شہادت اور مظلوم کی حمایت پر زور دیا جائے اور لغو باتوں سے اجتناب کی تلقین کی جائے۔

(۵) جماعت میں اطاعت کی روح کو ترقی دی جائے اور تخریبی اور ناجائز نکتہ چینی کے خلاف ماحول پیدا کیا جائے۔

(۶) انصار اللہ کی زندگی معمور الاوقات ہونی چاہیئے یعنی اُن کا کوئی وقت ضائع نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اُن پر اپنی تربیت کے علاوہ اولاد کی تربیت اور آئندہ نسل کی تربیت اور دنیا کی تربیت کی اہم ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔

(۷) اسلامی پردے کو قائم کرنے اور فیشن پرستی کی روک تھام کے لئے ہر رکن ہر ممکن کوشش کرے۔ نیز سماجی خرابیوں کو دور کرکے سادہ زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتا رہے۔

(۸) بڑی مجالس بالخصوص ضلعی و علاقائی مجالس تربیتی اجتماعات منعقد کرنے کا ضرور اہتمام کریں۔

قیادتِ اشاعت:- (قائد اشاعت مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی)

(۱) تمام مجالس انصار اللہ کوشش فرمائیں کہ وہ مجلسِ مرکزیہ کی اہم علمی اور تربیتی مطبوعات خرید کر اپنے اراکین میں فروخت کریں نیز انہیں غیر از جماعت دوستوں میں بھی زیادہ سے زیادہ تقسیم کرنے کا اہتمام کریں اور اس ضمن میں اپنی مساعی سے متعلق مرکز میں ماہ بماہ رپورٹ بھجوائیں۔ کیونکہ علمِ انعامی کے استحقاق کے فیصلے کے وقت مجلس مرکزیہ کی مطبوعات کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی مساعی کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا۔

تفصیل مطبوعات:- (۱) اقتباسات درثمین فارسی .... قیمت ۱۴ نئے پیسے

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی الہامی دعائیں ۱۲ پیسے (۳) The Need of Revelation / Co-operation ۶۲ پیسے

(۴) ایک غلطی کا ازالہ (بلاقیمت بذریعہ زعیم مجلس) (۵) خلافت (بلاقیمت بذریعہ زعیم مجلس)

(۲) مجلس شوریٰ ۱۹۶۱ء کے فیصلے کے مطابق ماہنامہ "انصار اللہ" کی اشاعت کو دو ہزار تک بڑھانے کیلئے مجلس مرکزیہ کا ہاتھ بٹائیں اور کوشش فرمائیں کہ آپ کی مجلس میں اس اہم علمی اور تربیتی رسالہ کے زیادہ سے زیادہ خریدار پیدا ہو جائیں۔ سالانہ چندہ صرف چھ روپے ہے۔

(۳) ہر مجلس کیلئے ضروری ہے کہ چندہ مجلس مقامی سے مستقل طور پر ایک ماہنامہ جاری کرائے۔

(۴) انصار اللہ کو زیادہ سے زیادہ اپنے قلمی جوہر کو ترقی دینے کی طرف توجہ دینی چاہیئے اور ماہنامہ انصار اللہ کیلئے مختلف علمی اور تربیتی موضوعات پر مضامین لکھ کر ارسال کرنے چاہئیں۔

(باقی آئندہ)

جمعہ اور عیدین سی بھی بڑھ کر مبارک اور خوشی کا دن

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں :-

'' سب صاحب یاد رکھیں کہ اللہ تعالی نے اسلام میں بعض ایسے دن مقرر کئے ہیں کہ وہ دن بڑی خوشی کے دن سمجھے جاتے ہیں اوران میں اللہ تعالی نے عجیب عجیب برکات رکھی ہیں ۔ منجملہ ان دنوں کے ایک جمعہ کا دن ہے ۔ یہ دن بھی بڑا ہی مبارک ہے ۔ لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم کو جمعہ ہی کو پیدا کیا اور اسی دن ان کی توبہ منظور ہوئی تھی ۔ اور بھی بہت سی برکات اور خوبیاں اس دن کی ماثور ہیں ۔ ایسا ہی اسلام میں دو عیدیں ہیں ۔ ان دونوں دنوں کو بھی بڑی خوشی کے دن مانا گیا ہے اور ان میں بھی عجیب عجیب برکات رکھی ہیں ۔ یاد رکھو کہ یہ دن بے شک اپنی اپنی جگہ مبارک اور خوشی کے دن ہیں لیکن ایک دن ان سب سے بھی بڑھکر مبارک اور خوشی کا دن ہے ۔ مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نہ تو اس دن کا انتظار کرتے ہیں اور نہ اس کی تلاش ۔ ورنہ اگر اس کی برکات اور اس کی خوبیوں سے لوگوں کو اطلاع ہوتی یا وہ اس کی پرواہ کرتے تو حقیقت میں وہ دن ان کے لئے بڑا ہی مبارک او خوش قسمتی کا دن ثابت ہوتا اور لوگ اسے غنیمت سمجھتے ۔

وہ دن کونسا دن ہے جو جمعہ اور عیدین سے بھی بہتر اور مبارک دن ہے ؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ دن انسان کی توبہ کا دن ہے جو ان سب سے بہتر ہے اور ہر عید سے بڑھ کر ہے ۔ کیوں ؟ اس لئے کہ اس دن وہ بداعمالنامہ جو انسان کو جہنم کے قریب کرتا جاتا ہے اور اندر ہی اندر غضب الہی کے نیچے اسے لا رہا تھا دھویا جاتا ہے اور اس کے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں ۔ حقیقت میں اس سے بڑھ کر انسان کے لئے اور کون سا خوشی اور عید کا دن ہوگا جو اسے ابدی جہنم اور ابدی غضب الہی سے نجات دیدے ۔ ''

(تقریر ۲۸ اگست ۱۹۰۲ء)

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں چھپا ۔